ماہنامہ

دلیلِ راہ

لاہور

اگست 2024ء ۔ محرم الحرام/صفر المظفر 1446ھ

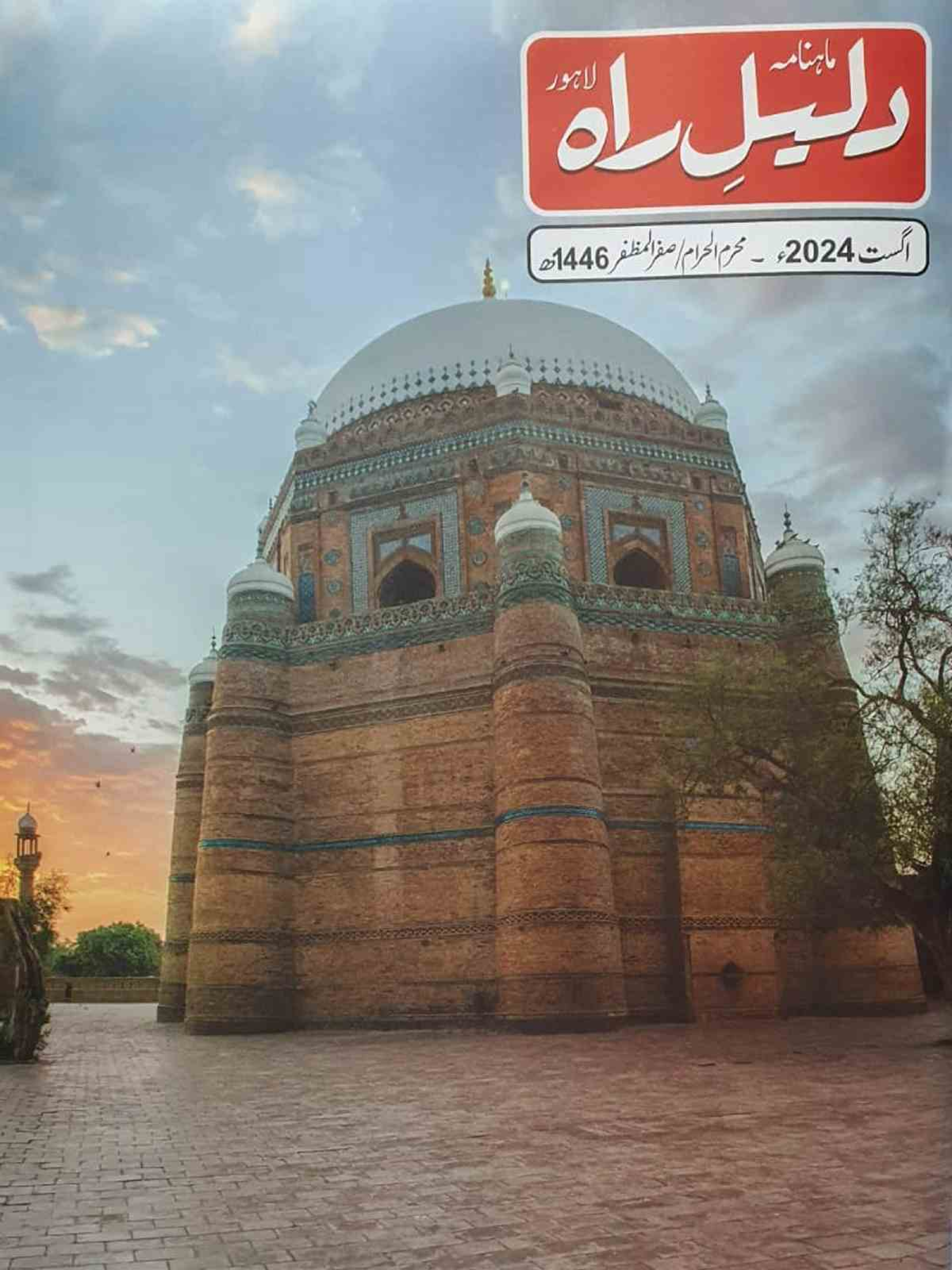

اے بی سی تصدیق شدہ اشاعت CPL.No:406

ماہنامہ
دلیلِ راہ
لاہور

شمارہ 08 | اگست 2024ء | جلد 32

مدیر اعلیٰ
سید ریاض حسین شاہ

مشیر ادارت

ڈاکٹر رضا فاروقی

مجلسِ اعزاز

- علامہ حافظ نور محمد بندیالوی
- محمد نواز کھرل
- سید قیصر عباس شاہ
- انجینئر سرفراز احمد ضیغم
- حافظ محمد زبیر اعوان
- ارشد محمود ارشد
- احد شریف • شیخ محمد راشد

ادارتی معاونین

- ابو محی الدین
- ڈاکٹر منظور حسین اختر
- طالب حسین مرزا
- خادم حسین مرزا
- حافظ محمد عفان منظور

قیمت فی شمارہ

30 روپے

سالانہ خریدار بمعہ ڈاک خرچ

600 روپے

جاز کیش، ایزی پیسہ

0323-8400651

بیرون ملک سالانہ

200 ڈالر، 100 پونڈز

ہرچہ من در بزمِ شوق آوردہ ام

1	نعت شریف	رفیع الدین ذکی	4
2	گفتنی و گفتنی	سید ریاض حسین شاہ	5
3	تبصرہ و تذکرہ	سید ریاض حسین شاہ	11
4	درسِ حدیث	حافظ سخی احمد	15
5	حضرت بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ	علامہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ	19
6	بوئے گل لے گئی بیرونِ چمن رازِ چمن	سید ریاض حسین شاہ	20
7	شاہ جی کریم کی خدمت میں ایک گلدستہ	سید اعزاز علی شاہ	21
8	حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ	پیر مختار احمد جمال	24
9	فاطمہ یورپ کا مقدس شہر	پروفیسر ڈاکٹر محمد اظہر نعیم	26
10	وادیٔ کشمیر کے نقوی سادات	سید ریاض حسین شاہ	28
11	حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ	علامہ منیر احمد یوسفی	29
12	حسد ایک روحانی و اخلاقی مرض	ملک محبوب الرسول قادری	31
13	حضرت قبلۂ عالم سیدنا پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ	نزاکت حسین گولڑوی	32
14	سلطان محمد (فاتح قسطنطنیہ)	آصف بلال آصف	34
15	سنابلِ نور	سید ریاض حسین شاہ	36
16	تلخ حقائق	ماسٹر احسان الٰہی	37

رابطہ دفتر: اتفاق اسلامک سنٹر، ایچ بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 0322-4301986, 042-35838038
ہیڈ آفس: ادارہ تعلیمات اسلامیہ سیکٹر نمبر 3، خیابان سرسید، راولپنڈی فون: 051-4831112

E-mail: daleelerah@gmail.com Online Edition: www.daleelerah.com

پبلشر سید ریاض حسین شاہ نے گنج شکر پرنٹرز سے چھپوا کر ماڈل ٹاؤن لاہور سے شائع کیا

اک قدم بھی پڑ گیا جن پر رسولِ پاک کا
بڑھ گیا رُتبہ فلک سے اُن خس و خاشاک کا

جب مجھے آیا بلاوا صاحبِ لولاک کا
کِھل اٹھا غُنچۂ دلِ اَفسردہ و غمناک کا

پُر ضیا رَوضہ جو دیکھا سیدِ لَولاَک کا
جگمگایا ذرّہ ذرّہ میری مُشتِ خاک کا

میرے آقا نے ہے فرمایا سدا اِس سے بچو
آہِ بے کس ، جس سے ہِل جاتا ہے دل اَفلاک کا

سُنتوں پر جو مری سرکار کی عامِل ہُوا
ہو گیا لا ریب وہ حق دار خلدِ پاک کا

سُوکھنے سے پیشتر ہی بھیج دی بارانِ خیر
ہے خیال اتنا نبی کو میری شاخِ تاک کا

حشر میں نازاں نہ کیوں ہو گا وہ اپنے بخت پر
جس پہ ہو گا سایۂ رحمت شَہِ لَولاَک کا

اُس کے جتنے بھی شِکاری تھے ہُوئے اُس کے اسیر
بن گیا نخچیر جو سرکار کی فِتراک کا

مِٹ گیا ہے خوف دل سے روزِ محشر کا ذکی!
میرے ہاتھوں میں جو ہے دامن شَہِ لَولاَک کا

رفیع الدین ذکی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دلیلِ شوق

زندگی کے سارے ہنگامے گفت وکلام، فکر ونظر اور فعل وعمل ہی سے ہیں۔ اگر ان چیزوں کی سمت درست ہوجائے تو زندگی زندگی ہے اور انہیں صراطِ مستقیم کا سراغ نہ لگ سکے تو پھر موت کی سیاہی اور فنا کی تاریکی کے سوا کچھ نہیں۔

اسے بدقسمتی سمجھیے کہ زندگی برف کی مانند پگھلتی جارہی ہے اور زمانہ برق رفتاری سے آگے بڑھ رہا ہے لیکن قوموں کا تقدیر ساز اور ملل کا محسن احساسِ ارتقاء ونمو سے ابھی کوسوں دُور ہے۔ کفر اور باطل کی گہری سازشوں اور مہیب ہتھکنڈوں نے اس کی فکر ونظر اور قوائے جہد وعمل کو اس طرح شل کردیا ہے کہ اس کے لیے اپنی ذات سے نکل کر سوچنے کا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اجتماعیت مفقود ہے اور اتحاد معدوم بلکہ عالمی سطح پر مسلمان مسلمان سے الجھا ہوا ہے اور حکومتیں ایک دوسرے کی تکفیر کررہی ہیں۔ معاشی لحاظ سے چھوٹے ممالک کو ’’بقائے زندگی‘‘ کے چکر نے ملی تشخص کے قیام سے بیگانہ بنا رکھا ہے اور بڑے اسلامی ممالک کو دولت وثروت نے بدکاری کے دہانے پر لاکھڑا کیا ہے۔ اگر ایک طرف غربت نے خود غرضی، فساد جوئی، چوری اور عیاری ومکاری جیسے امراض پیدا کیے ہیں تو دوسری طرف دولت نے تکبر، خود پرستی، شراب نوشی، فحاشی، عریانیت، بے حیائی اور خود فراموشی جیسا مہلک اور موت آفریں زہر عام کیا ہے۔

غربت اور امارت کے ان متضاد اثرات نے متوسط آبادیوں کو بھی خالی نہیں چھوڑا۔ وہ بھی معاشرتی لحاظ سے اخلاق وکردار کا وہ نمونہ پیش کرنے کے قابل نہیں جو مسلم معاشرے کا طرۂ امتیاز ہے۔

ہمیں اپنی جگہ تسلیم ہے کہ ہمارے ہاں آتش نوا شاعروں، شعلہ نوا واعظوں، باذوق ادیبوں، نکتہ جو حکیموں، فکر ساز فلسفیوں اور مستِ ہو شیوخ کی کمی نہیں۔ مسجدیں کسی حد تک آباد ہیں۔ اذانوں کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اللہ ہُو کی ضربیں لگائی جاتی ہیں۔ قرآن مجید کے ختم پڑھے جاتے ہیں۔ دینی اور مذہبی جلسے انعقاد پذیر ہوتے ہیں۔ نذر نیاز دل کھول کر لٹائی جاتی ہے۔ زکوٰۃ وصدقات کی تقسیم بھی برابر جاری ہے۔ مذہبی جماعتیں بھی اپنے تئیں مصروفِ کار ہیں لیکن کیا وجہ ہے کہ مسلم قوم زمین کے ایک خاص حصہ پر مقتدر ہونے کے باوجود صبح فروزاں کے انتظار میں تارے گن رہی ہے من کل الوجوہ ابھی تک غلبہ اور تمکن کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا۔ ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ مشرق ہو یا مغرب، خون مسلمان ہی کا کیوں گرتا ہے، گھر مومن ہی کا کیوں جلتا ہے اور کافروں کی سیاسی اور مذموم اغراض کے لیے چھیڑی گئی جنگوں کا تختۂ مشق مسلمان حکومتیں ہی کیوں بنتی ہیں؟

اہل باطل نے مسلمانوں پر جو ظلم ڈھائے وہ صرف عسکری نوعیت ہی کے نہیں بلکہ معاشرتی اور سیاسی لحاظ سے بھی مسلمانوں کو کچھ اس طرح گھائل کیا گیا کہ ملی وحدت پارہ پارہ ہوگئی۔ ذات پات اور نسلی امتیازات نے پوری طرح ہماری ذہنیتوں پر تسلط جما لیا اور ذہنی اور فکری لحاظ سے ہماری قوم اپاہج اور مفلوج ہو کر رہ گئی اور اس کی کارآمد صلاحیتیں بے کار رہ کر زنگ آلودہ ہونے لگیں۔

ہم ماتم کے قائل نہیں، منزل پر پہنچنے کی فکر رکھتے ہیں اور اس راستے میں اپنے ملی بھائیوں میں جس چیز کی کمی محسوس کرتے ہیں۔ وہ وسائل کا نہ ہونا نہیں بلکہ نظریاتی اضطراب اور تشویش ہے، جو انہیں قربانی اور ایثار کے لیے باطن سے تیار نہیں ہونے دیتی۔

اس وقت مسلمانوں میں دو طرح کے لوگ ہیں: ایک بے دین اور دوسرا دین دار، اوّل الذکر کو اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ دھرتی پر کس کا حکم چلتا ہے اور کس کا چلنا چاہیے۔ ان کا دل چاہے تو خدا کے وجود کے قائل ہو جاتے ہیں اور دل چاہے تو اسلام سے دو چار مذاق بھی کر لیتے ہیں اور جہاں تک دوسرے طبقے کا تعلق ہے تو وہ بے حسی اور جمود کا شکار ہے۔ قومی اور ملی پیمانے پر انہیں سوچنے کی فرصت ہی نہیں یا اگر کوئی سوچتا بھی ہے تو ماحول اور رسم ورواج کی بوجھل بیڑیاں ان کے قدموں میں پڑ جاتی ہیں اور وہ ''ہم چو ما دیگرے نیست'' کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں اور اس طرح ایک مضبوط قوت بے کار ہو کر رہ جاتی ہے۔

ہمارے خیال میں اس وقت ایک ایسے معاشرے کی تشکیل ضروری ہے جس کا تعلق خدا کی ذات اور رسول اللہ ﷺ کے وجودِ سعید سے بدرجہ اتم ہو۔ یاد رہے کہ مسلمان جس وقت تک خدا کی ذات کے ساتھ جنون وشیفتگی کی حد تک وابستگی اختیار نہیں کر لیتے۔ ان کا کوئی مسئلہ حل ہوتا معلوم نہیں ہوتا۔ یہ فرقوں کی جنگیں اور مختلف مکاتبِ فکر کی آنکھ مچولی اور حکومتوں کے غمزے، درحقیقت خدا پرستی کے فقدان کے نتیجے میں ہیں جب تک خدا کی ذات پر یقین اور عقیدہ مضبوط نہیں ہوگا، خواہشات کبھی ختم نہیں ہوں گی اور نفس اور شیطان کبھی ہار نہیں مانیں گے۔

ایک بار دل سے یہ پڑھنا ہی پڑھے گا:

"لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"

یہ ہے وہ مضبوط بنیاد جس پر ہمیں ایک ایسی قوم تیار کرنی ہے جو خدا ترس اور بااخلاق ہونے کے ساتھ ساتھ جری، جفاکش اور جانباز ہو جسے بدی کو للکارنا آتا ہو اور خدا کی راہ میں جان لگانا اس کے لیے مشکل نہ ہو۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ قوم کی تربیت کون کرے گا۔ ملت میں ایمان کی لہر دوڑانے میں کون سی قوتیں حرکت میں آئیں گی تو اس سوال کا جواب حاصل کرنے سے پہلے ہمیں ایک نقشہ تیار کرنا ہوگا جس کے مطابق ہمیں اپنے آپ کو تیار کرنا ہے اور پھر اس کے بعد احیائے حق کے لیے باطل کے خلاف ایک جانگسل کشمکش شروع کرنی ہے اور اس وقت تک کرنی ہے کہ "حتی یکون الدین للہ" یعنی دین اللہ ہی کے لیے ہو جائے۔

ہماری سوچ کے مطابق اس سارے کام کی چھ ٹھوس بنیادیں ہوسکتی ہیں:

(۱) ایمان (۲) علم

(۳) عمل (۴) روحانیت

(۵) قوت (۶) جہاد

جہاں تک اصطلاح "ایمان" کا تعلق ہے تو اس ضمن میں ہم بڑے واشگاف انداز میں ان تین لطیف حقیقتوں کی طرف اشارہ کریں گے جن پر ایقان کا ہونا ضروری ہے۔ مراد اللہ کا ربّ ہونا، محمد ﷺ کا رسول ہونا اور اسلام کا دین ہونا ہے۔ عقائد میں یہ تین ایسی بنیادیں ہیں جن کے تحت وہ تمام ماوراء الطبیعیاتی حقائق آ جاتے ہیں جن پر ایک مسلمان کا ایمان رکھنا ضروری ہے۔ یہاں یہ وضاحت بھی بے جا نہ ہوگی کہ ایمان کا معنیٰ زبان سے کسی چیز کا ادا کر دینا نہیں بلکہ دل کی دنیا سے کسی حقیقت کو تسلیم کرنا ہے یعنی کسی عقیدہ کا علیٰ وجہ البصیرت ہونا لازمی ہے اور اس ضمن میں وہ لوگ جن کے دینی اور اسلامی نظریات کو حق الیقین کی حد تک ایمان کا درجہ حاصل ہے، ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ان دوستوں کی کشتِ قلوب میں، جن کے نظریات ہوا کے سرسری جھونکوں کے ساتھ لرز جاتے ہوں، ایمان کی تخم ریزی کریں۔ یہاں تک کہ ملت اسلامیہ میں من حیث القوم خدا کا احساسِ حاکمیت اور رسول اللہ ﷺ کا احساسِ محبوبیت و کاملیت غالب ہو جائے۔

ایمان جب سینوں میں رسوخ حاصل کرلے تو اس کا پہلا اثر دل اور دماغ میں جستجو اور تلاشِ حقیقت کا شدید داعیہ پیدا کر دینا ہے۔ اس مقام پر صاحبِ ایمان میں "العلم" کے حصول کے لیے تڑپ پیدا ہو جاتی ہے اور ظاہر ہے "العلم" سے مراد خدا کا وہ عظیم صحیفہ ہے جس کا نزول رسول اللہ ﷺ کے قلبِ اطہر پر ہوا۔ دوسرے لفظوں میں مسلمان کے لیے ایمان کے بعد جس چیز کی اشد ضرورت ہوتی ہے وہ قرآن مجید کا سیکھنا اور ایک تڑپ کے ساتھ سیکھنا ہے۔ یہاں پر ایک بات ضرور ذہن میں رہے کہ قرآن ایسی کتاب ہے جس میں رطب و یابس، یعنی سارے علوم وفنون کی اصولی تعلیم رکھ دی گئی ہے اور جس وقت ہم یہ کہتے ہیں کہ "قرآنی علوم میں مہارت حاصل کی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ قرآن کو مشعل راہ بنا کر

دنیا کے سارے علوم وفنون میں مہارت حاصل کی جائے اور یہی وہ راستہ ہے جس کے ذریعے آج ہم جدید دنیا کی ماڈرن سازشوں کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ (العلق:1)

''پڑھیے اپنے ربّ کے عظیم نام سے جس نے پیدا فرمایا''۔

یعنی زندگی، پڑھائی اور ربّ کی یاد دونوں کا امتزاج ہونی چاہیے۔ آج ''اقراء'' پر جدید قومیں عمل کرتی ہیں اور ''ربّ کا نام'' ایک ایسی قوم لے رہی ہے جو ''العلم'' میں مفلوج ہے اور ضرورت اس امر کی ہے کہ ''العلم'' پڑھا جائے لیکن ہر لحظہ ربّ کے نام اور اس کی ذات پر یقین غالب رہے اور ایک سچی مسلمان قوم ہی خدا کے اس حکم پر پوری طرح عمل کرسکتی ہے۔

گر تومی خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

اس اہم مقصد کے حصول کے لیے اساتذہ، معلمین، مدرسین، علماء اور پڑھے لکھے احباب کی جو ذمہ داریاں ہیں اگر وہ کماحقہٗ انہیں پورا نہیں کریں گے تو نئی نسل کے قلب و ذہن کو قرآنی قالب میں ڈھالنا اور ان کی تربیت اس انداز سے کرنا کہ ان کی صلاحیتوں کی نشوونما ہو اور وہ زندگی کے مقاصد سے ہمکنار ہوسکیں، کیونکر ممکن ہوگا۔

تیسرا نکتہ جس پر ہمیں کچھ عرض کرنا ہے وہ ہے ''عمل''، اچھی فصل کے اگنے کا دارومدار اچھے بیج اور کسان کی محنت پر ہوتا ہے۔ نظریات خواہ کتنے ہی حسین کیوں نہ ہوں جب تک ان پر عمل نہ کیا جائے۔ بہتر نتائج پیدا کرنے کی امید نہیں کی جاسکتی۔ جہاں تک قرآن حکیم اور اسلام کے خیر ہونے کا تعلق ہے تو ان کی عظمت سے بیگانے بھی منکر نہیں۔ فرق جس چیز کا ہے وہ مسلمان قوم کا قرآنی نظریات پر عمل ہے اور اسی حقیقت کی طرف قرآن حکیم نے یوں اشارہ کیا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِکَ ہُمۡ خَیۡرُ الۡبَرِیَّۃِ ؕ﴿۷﴾ (البینۃ:7)

''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں مخلوق میں سب سے بہترین لوگ یہی ہیں''۔

اس لحاظ سے یہ ہماری قومی ضرورت ہے کہ ہم اعمالِ صالحہ کی طرف رجعت قہقری سے کام لیں اور بدکاریوں سے توبہ کا یہ عمل قومی اور ملی پیمانے پر ہونا چاہیے۔ جب تک ملت میں عمل صالح کی ایک لہر نہیں اٹھے گی کسی دوررس اور مستقل اسلامی انقلاب کی امید رکھنا عبث ہے۔ اس لیے کہ نازک شاخیں زیادہ بوجھ برداشت نہیں کرسکتیں۔ معاشرہ ایک شاخ کی مانند ہے۔ وہ اخلاقی، دینی اور ملی اقدار کے لحاظ سے جتنا قوی اور مضبوط ہوگا اتنا ہی زیادہ بوجھ برداشت کرسکے گا۔

اب رہا یہ نکتہ کہ اعمال صالحہ کی رغبت ہونے کا مؤثر طریق کار کونسا ہے تو اس سلسلہ میں ایک گہری اور عمیق فکر کے بعد ہم جس نتیجے پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ ''تزکیہ'' کا نظام فعال ہونا چاہیے اور اسی عمل کو ہم ''روحانیت'' کی اصطلاح سے تعبیر کرتے ہیں اور یہی چیز عہدِ رسول ﷺ میں بصورتِ ''احسان'' موجود تھی۔

ایسے نظریات جو اپنے ماننے والوں کے سینوں میں اطمینان اور چین پیدا کرنے میں ناکام ہو جائیں،

حقیقت میں وہ ایسی کھوکھلی بنیادیں ہوتے ہیں جن پر تعمیر کی گئی عمارتیں کبھی بھی کامیاب نہیں ہوتیں۔ اسلام ایک ٹھوس نظریہ زندگی اور نظامِ حیات ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ایسا جامع روحانی پروگرام بھی رکھتا ہے جس سے انسانی دل اطمینان اور حقیقی مسرت حاصل کر سکتے ہیں۔

یہ اسلام کی سچی روحانیت ہی تھی کہ جب تک مسلمانوں کی زندگی میں اس کا وجود رہا، اسلام پھلتا پھولتا رہا لیکن جب سے جدت پسند لوگوں نے اسے ''افیون'' سے تعبیر کیا۔ اسلام کی ترقی و ترویج کے امکانات کم ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اب سننے میں آیا ہے کہ یورپ کے بے شمار لوگ ''روحانیت'' کی تلاش میں ''ہندو مذہب'' قبول کر رہے ہیں۔ اگر مسلمان اپنی کھوئی وراثت کو حاصل کریں اور دعوت و تبلیغ کا کام ''صوفیا'' کے انداز سے کریں تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ دن دور نہیں کہ مشرق کے ملحدین اور مغرب کے مادہ پرست لوگ اسلام کے سامنے اپنا سر جھکا دیں اس لیے کہ پیاسے کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے اس کے لیے گھاٹ کا تشخص کوئی معنی نہیں رکھتا۔

مجھے یہاں نظامِ روحانیت کو بگاڑنے والے ان نام نہاد خانقاہ نشینوں سے بھی شکوہ ہے جن کے طیورِ ارواح تو فالج زدہ ہونے کی وجہ سے لاہوتی پرواز سے عاجز ہیں لیکن ان کے ہاں آباء پرستی، رسم افشائی اور قبر فروشی کے سارے کام گرما گرمی سے جاری ہیں۔ عوام الناس بھی روحانیت کا حقیقی تعارف نہ ہونے کی وجہ سے منزل آشنا نہیں ہونے پا رہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ صداقت اور حقیقت رکھنے والی خانقاہوں سے ''تزکیہ'' کی ایک بھرپور تحریک اٹھے اور لوگوں کے سینوں سے ماسویٰ اللہ کو ختم کر دے اور ان کا اٹھنا، بیٹھنا، سوچ اور فکر سبھی کو رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی کے مطابق بنا دے۔ یہاں تک کہ خانقاہوں کے تربیت یافتہ خدا پرست لوگ احیائے دین کے لیے اپنا سب کچھ وقف کر دیں۔

جو دوسروں کے لیے بے قرار ہو ہر دم
وہ مشتِ خاک، وہ پارہ تلاش کرتا ہوں

مذکورہ صدر ساری باتیں ہی ابتدائی نوعیت کی ہیں۔ اگر قومی اور ملی حیثیت سے ہم ایمان و عشق، علم و عمل اور روحانیت کے حامل ہو جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے اسلامی انقلاب کا خاکہ تیار کر لیا۔ اس مرحلے کے بعد ''باطل'' کے خلاف ہمیں ایک قوت تیار کرنی ہے اور قوت کا تصور صرف افراد سے نہیں ہوتا، اس کے لیے ہمیں قرآن حکیم کے اس حکم پر عمل کرنا ہوگا:

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ (انفال:60)

''تیاری رکھو جتنی بھی تمہاری استطاعت ہو''۔

ہمارے کسانوں اور مزدوروں کو صنعت کاروں اور ہنر مندوں کو، معلّمین اور طلبا کو، ملازمین اور مؤظفین سبھی کو محنت کرنا ہوگی۔ ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے پڑیں گے۔ معاشی اور مذہبی فرقہ بندیاں ختم کرنا ہوں گی اور ضرورت کے مطابق ایثار اور قربانی پیش کرنا ہوگی۔ یہی وہ سنگلاخ راستہ ہے جو ہماری ملت کو بین الاقوامی سطح پر ایک قوت اور طاقت کی صورت

میں نمودار کرسکتا ہے۔

اس کے بعد ہمیں اپنی زندگی کا حقیقی مقصد پورا کرنے کے لیے جہاد فی سبیل اللہ شروع کرنا ہے۔ اس کی عمومی صورت تو ''دعوت الی اللہ'' ہی رہے گی جس کا واضح مطلب زمین پر خدا کا نظامِ عدل قائم کرنا اور نظامِ ظلم کو جڑ سے اکھیڑنا ہے لیکن اگر کوئی طبقہ انسانیت ظلم سے باز نہیں رہتا اور اپنے کفری نظام سے انسانیت کو ایذا پہنچانے پر تلے رہنے کی ٹھان لیتا ہے تو پھر خدائی فوج زمین میں ظلم و استیصال برداشت نہیں کرسکتی۔ وہ ایک عزم اور حوصلے سے کفر و باطل کے خلاف کشمکش شروع کر دیتی ہے اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (الصّف:11,10)

''اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت نہ بتادوں جو دردناک عذاب سے تمہیں نجات دے دے۔ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جو تم سے لڑے اُس سے لڑو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ، تمہارے لیے بہتر یہی راہ ہے اگر تم کچھ جانتے ہو''۔

اس وقت یہ بات لائقِ مسرت ہے کہ قوم کے چند نوجوان اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لیے ایک اُمنگ اور تڑپ لے کر کچھ کر گزرنے کے لیے تیار ہو رہے ہیں۔ اللہ کرے ان کی شیرازہ بندی ہو اور ان کی محبتوں اور جہد و عمل کی تحریک باطل کی رسوائی اور اسلام کے احیاء کا باعث بن جائے۔ (آمین)

روشن کہیں بہار کے امکاں ہوئے تو ہیں
گلشن میں چاک چند گریباں ہوئے تو ہیں

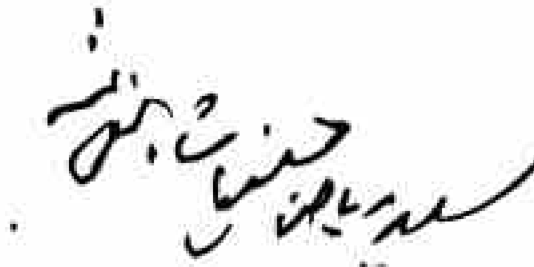

سید ریاض حسین شاہ

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید وفرقان حمید کی تفسیر ''تبصرہ'' کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز ومعانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورۃ النساء کی آیت نمبر 18 تا 23 تفسیر پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ
اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ
وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِـيْمًا ﴿۱۸﴾ يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاۗءَ كَرْهًا ۭ وَلَا
تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ
بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ
كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَـيْـــًٔـا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ
خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ
وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَـيْـــًٔـا ۭ
اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ
وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا
غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَاۗؤُكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ اِلَّا مَا
قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾
حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَ
خٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ
اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَاۗىِٕكُمْ وَ
رَبَاۗىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ
بِهِنَّ ۡ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۡ
وَحَلَاۗىِٕلُ اَبْنَاۗىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا
بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾

''ان لوگوں کی توبہ نہیں ہوتی جو برُے کام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان میں سے کسی ایک کو موت آلیتی ہے تو اس وقت وہ کہتا ہے اب میں نے توبہ کی اور نہ ہی توبہ ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو کفر ہی کی حالت میں مرتے ہیں ہم نے ایسے لوگوں کے لیے ہی دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے، اے ایمان والو! تمہارے لیے حلال نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن بیٹھو اور نہ انہیں روک کر رکھو تا کہ انہیں جو مال تم دے بیٹھے ہو اس کا بعض لے اُڑو، ہاں جبکہ وہ کھلی بدکاری کی مرتکب ہوں اور ان کے ساتھ تم معاشرت اچھی رکھو پھر اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز کو تم برا جانو اور اللہ نے اس میں خیر کثیر رکھی ہو اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنے کا ارادہ کر ہی لو اور ان میں سے ایک کو اگر تم ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس سے ذرہ بھر بھی واپس نہ لو، کیا تم وہ مال بہتان اور کھلے گناہ سے لوگے اور تم اس سے وہ کیسے لوگے حالانکہ تم ایک دوسرے سے خلوت کا ملاپ کر چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں اور تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ دادے نکاح کر چکے ہیں البتہ جو گزر چکا سو گزر چکا، بے شک ایسا کرنا کھلی بے حیائی اور باعثِ غضب معاملہ اور بری راہ ہے تم پر حرام کر دی گئی ہیں مائیں تمہاری اور بیٹیاں تمہاری اور بہنیں اور پھوپھیاں تمہاری اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں تمہاری اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری گود میں پرورش پانے والی وہ لڑکیاں جو تمہاری ان بیویوں سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو اور اگر تم نے ان سے جماع نہیں کیا تو پھر تم پر انہیں لینے میں کوئی گناہ نہیں اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو اکٹھا کرلو مگر جو گزر گیا سو گزر گیا، بے شک اللہ بخشنے والا بے حد مہربان ہے''۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِـيْمًا ﴿۱۸﴾

''ان لوگوں کی توبہ نہیں ہوتی جو برُے کام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان میں سے کسی ایک کو موت آلیتی ہے تو اس وقت وہ کہتا ہے اب میں نے توبہ کی اور نہ ہی توبہ ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو کفر ہی کی حالت میں مرتے ہیں ہم نے ایسے لوگوں کے لیے ہی دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے''۔

وہ لوگ جو ہمہ وقت، ہمہ عمر اور ہمہ زیست گناہوں کے سمندر میں غرق رہتے ہیں۔ غفلتوں کی بادِ سموم نے ان کی گردن توڑ دی ہوتی ہے، ایسے لوگوں کی رسمی توبہ کوئی معنی نہیں رکھتی۔ ایسے لوگوں کی توبہ اس لیے کوئی اثر نہیں رکھتی کہ ان کی زندگی میں عملی اصلاح کا کوئی اظہار نہیں پایا جاتا، ان کے رویوں سے معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے دلوں میں کوئی تبدیلی بپا ہوگئی ہے۔ توبہ تو ایک رحمت اور کرم کا دروازہ ہے، جس میں سے وہی لوگ گزر کر کے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جن کے ضمیروں میں تبدیلی واقع ہو اور وہ ارادہ کرلیں کہ آئندہ انہوں نے شیطانی جھنڈوں تلے ایک منٹ بھی بسر نہیں کرنا۔ وہ رحمٰن کے بندے ہیں اور زندگی کا لمحہ لمحہ رحمٰن کے نام پر وقف ہے۔

آیت اپنا فیصلہ سنا دیتی ہے کہ قبول توبہ کا وعدہ اس قسم کے لوگوں کے لیے نہیں ہے جو توبہ کو بھی رسم بنا لیتے ہیں یہاں تک کہ ان کی موت آپہنچتی ہے۔ ایسے لوگوں کا معاملہ اللہ پر ہوتا ہے چاہے تو بخش دے اور چاہے تو عذاب دے دے (40)۔

آیت میں دوسرے وہ لوگ ہیں جو کفر ہی کی حالت میں موت کی چوکھٹ پر پہنچ جاتے ہیں۔ان کی توبہ کچھ معنی نہیں رکھتی۔یہ تو واویلا ہے جو موت کے آثار دیکھ کر انسان ہنگامے اٹھانے لگ جاتا ہے۔آیت کا عمود یہ ہے کہ توبہ کرنے میں سرعت اور جلدی ہونی چاہیے۔

واللہ اعلم

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا(41):

''گناہ سے توبہ کرنے والا اللہ کا محبوب ہے''۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا(42):

''مومن موت سے ایک ماہ پہلے توبہ کر لے یا ایک دن پہلے یا ایک گھڑی پہلے تو اللہ توبہ قبول کر لیتا ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا(43):

''اللہ تعالیٰ زندگی کے آخری لمحہ تک توبہ قبول فرماتا ہے''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں(44):

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ابلیس نے بارگاہ ربّ العزت میں کہا جب تک بندہ کی روح اس کے جسم میں رہے گی میں اس کے اندر رہوں گا''۔

ربّ قدوس نے فرمایا:

''جب تک بندہ کی روح اس کے جسم میں رہے گی میں اس کے لیے توبہ کا دروازہ بند نہیں کروں گا''۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسے ہوجاتا ہے جیسے اس کا گناہ ہے ہی نہیں''۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔـا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿19﴾

''اے ایمان والو!تمہارے لیے حلال نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن بیٹھو اور نہ انہیں روک کر رکھو تا کہ انہیں جو مال تم دے بیٹھے ہو اس کا بعض لے اُڑو،ہاں جبکہ وہ کھلی بدکاری کی مرتکب ہوں اور ان کے ساتھ تم معاشرت اچھی رکھو پھر اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز کو تم بُرا جانو اور اللہ نے اس میں خیر کثیر رکھی ہو''۔

شانِ نزول

زمانہ جاہلیت میں لوگ اموالِ اقتصاد کی طرح اقارب کی بیویوں کے بھی وارث بن جاتے۔ان کے نزدیک عورتیں بھی گھوڑوں اور اونٹوں کی طرح مقوم مال تھا۔نکاحوں میں کبھی تو مہر کی رقم ہتھیانے کے لیے مکروفریب کرتے،کبھی تو عورتوں کو دوسروں کی زوجیت میں دے دیتے اور مہر کی رقم پر قبضہ کر لیتے یا عورتوں کو قید میں محصور کر لیتے،حتیٰ کہ ان کے پاس ورثہ کی رقم ہتھیا کر انہیں آزادی دیتے۔ظلم کے کئی راستے تھے جو وارث بن کر مردانہ سوسائٹی کے ظالمین عورتوں پر روا رکھتے۔معاشرتی اصلاح کے لیے قرآن حکیم نے اس غلط سوسائٹی کو عدل و انصاف کی راہ ڈالا۔

ایمان والوں سے خطاب

آیت میں جن لوگوں کے ماحول کو صاف ستھرا بنانے کی دعوت ہے وہ ایمان والوں کا معاشرہ ہے۔اسلامی سوسائٹی اگر صحیح اور مضبوط بنیادوں پر استوار ہوجائے تو پوری کائنات سنبھل سکتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ آیت میں خطاب ایمان والوں سے کیا گیا ہے۔ویسے بھی اللہ کی طرف سے ایمان والوں کو مخاطبت سے نوازنا اقتصادی اور معاشی مشکل چڑھائیوں کو سہل اور آسان بنا دینا ہے اور اسلامی احکام پر عمل ممکن، سہل اور مسرت نواز بنا دینا ہے۔

واللہ اعلم

تمہیں حلال نہیں

اے ایمان والو!تمہیں حلال نہیں۔مسلمان کا ذہن قرآن حکیم کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔اس کی تربیت میں یہ احساس پاکیزہ اور لطیف روح کی صورت میں موجود اور زندہ رہتا ہے کہ اس کے لیے''حرام اور ظلم'' دو ممنوعہ خباثتیں ہیں۔اس نے اپنے آپ کو آلودگی سے بچانا ہے۔کسی چیز کا حلال نہ ہونا مسلمان کے لیے اس سے بچنے کے لیے یہ علم ہی کافی ہے۔شرعی ذمہ داریوں سے آگاہ ہونا اسلام کے تربیتی نظام کی اجرائی ضمانت ہے۔

عورتوں کے زبردستی وارث نہ بنو

اسلام میں دین کی قدریں متعین ہیں۔اقتصادی لحاظ سے پیدائش دولت اور تقسیم دولت ہر ایک کے لیے قرآن حکیم نے معیار مقرر کر دیا ہے۔

''زمانہ'' جاہلیت میں مردوں کی ایک ظالمانہ عادت یہ تھی کہ وہ ان دولت مند عورتوں سے شادی کر لیتے جو بدصورت ہوتیں، پھر ان کے حال پر انہیں چھوڑ دیتے، نہ تو انہیں طلاق دیتے اور نہ ہی ان سے بیوی والا حسن سلوک برتتے، اس اُمید پر کہ انہیں موت آجائے اور وہ ان کے مال پر قبضہ کر لیں اور ایک صورت یہ بھی تھی کبھی عورت کو طلاق دیتے کبھی رجوع کر لیتے، پھر طلاق دیتے پھر رجوع کر لیتے غرض یہ ہوتی کہ عورت کہیں بھی سکون سے نہ رہ سکے۔معلقہ ہوجائے، کسی نہ کسی طریقے سے عورت کی وہ دولت نچوڑ لیں۔اگر مر جائے تو اس کے ترکہ پر قبضہ کر لیں اور یہ بھی کہا گیا میت کے اولیاء اپنے مورث کی بیوی کو روک نہ لیں کہ مال ہڑپ کر لیں۔

''وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ'' کا مفہوم

''عضل'' کا معنیٰ روک ہوتا ہے اور''وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ'' کا معنیٰ ہوگا اور نہ روکو انہیں کہ تم ان کے مال کا بعض حصہ لے اڑو۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اس کے متعلق حکم ہے جو اپنی بیوی سے نفرت رکھتا ہو اور اس وجہ سے اس سے بدسلوکی کرتا ہو کہ عورت مجبور ہوکر مہر واپس دے دے۔اس ظالمانہ فعل سے روکنے کے لیے اللہ نے تربیت فرمائی۔

ایک استثنائی صورت

عورتیں اگر منفی روش اختیار کرلیں اور شرمناک حرکتیں شروع کر دیں تو شوہروں کو یہ حق حاصل ہے کہ ان پر سختی روا رکھیں تا کہ عورتیں اپنا حق مہر ان کے لیے حلال کر کے طلاق لے لیں۔اصل میں یہ ایک قسم کی سزا ہے جو فاحشہ عورتوں کے لیے روا رکھی گئی ہے۔''فاحشہ مبینہ'' سے مراد وہ تمام بُرے کام ہیں جو عفت اور پاکدامنی کے منافی ہوں۔

بیویوں سے اچھا برتاؤ

یہ آیت گھریلو زندگی میں بیویوں کے ساتھ معاشرت کو معروف پر استوار کرتی ہے۔ ''معروف، عرف'' سے ہے۔ یہ مرغ کی کلغی کو کہتے ہیں اور اس کا ایک معنیٰ خوشبو بھی ہے اور''معروف'' کا معنیٰ دستور اور قانون کا بھی کیا گیا ہے، اس اعتبار سے''معروف'' دین ہوگا۔ اسلامی گھرانا جس معاشرت کو اختیار کرتا ہے اس میں محبتوں کی خوشبوئیں ہوتی ہیں، زیبائش ہوتی ہے، حسن کاری کے جلوے ہوتے ہیں اور وہ دین جس میں رسولِ رحمت کے اسوہ کو مشعل زندگی بنایا گیا ہے اس کی رہبری اور اصولوں کی روشنی ہوتی ہے۔ دینی گھرانوں میں نفرتیں اور کدورتیں نہیں پلتیں اور معاشی حیوانوں کی طرح بیوی خاوند زندگی نہیں گزارتے، کتنا معنیٰ خیز جملہ ہے کہ تم اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے طریقے کے ساتھ زندگی بسر کرو۔ تمہارے ہر قدم اور ہر اقدام کے اندر شائستگی ہونی چاہیے۔ ''فاحشہ مبینہ'' پر قدرے سختی کے حکم کے بعد حسن معاشرت کا سبق خوبصورت ہے، لطیف ہے اور گھر کی فضا کو مقناطیسیت سے لبریز کردینے والا ہے۔

اگر بیویاں اچھی نہ لگتی ہوں

اسلام گھروں کو امن وسکون اور محبت ورافت کی آماجگاہ بناتے ہوئے گھریلو فضا کو انس محبت اور ہمدردی وایثار کی اساس پر منظم کرتا ہے، یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک گھر کے اندر بیوی خاوند باہمی رضا، محبت اور آزادی کی فضا قائم کریں۔ یہ آیت کتنی خوبصورت رہنمائی کرتی ہے کہ اگر دل کبھی میلے بھی ہو جائیں تو پھر بھی ''برداشت کرو'' کا قانون اپناؤ۔ آیت میں یہ جملہ کتنا دلکش ہے کہ اگر تم بیویوں کو ناپسند بھی کرتے ہو تب بھی یہ سمجھو کہ ہو سکتا ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تمہیں اس میں بھلائی دے دے۔ یہ تلقین اس لیے کی جاتی ہے کہ جذبات کے پہلے جھونکے ہی میں رشتۂ زوجیت ختم نہ ہو کر رہ جائے۔ گھر ایک قیمتی ادارہ ہے معمولی باتوں میں اس کے ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیے جاتے۔ عصر رواں کی تہذیب انسانوں میں حیوانیت کی آگ بھڑکاتی ہے۔ اسے انسانیت کے اصلی جوہر شرافت، برداشت اور مروت کی خیر کثیر کی عظمت کا اندازہ ہی نہیں۔

وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾

''اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنے کا ارادہ کر ہی لو اور ان میں سے ایک کو اگر تم ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس سے ذرہ بھر بھی واپس نہ لو، کیا تم وہ مال بہتان اور کھلے گناہ سے لوگے''۔

شانِ نزول

تفسیر ابی السعود میں ہے(45):

زمانۂ جاہلیت میں یہ بُری رسم جاری تھی کہ مرد اگر چاہتے کہ جوڑا بدل لیں اور شادی نئی ہو جائے تو وہ حق مہر سے بچنے کے لیے اپنی بیوی پر بہتان باندھ دیتے اور منافیٔ عفت باتیں اس کی طرف منسوب کرتے اور اس پر سختی کرتے تاکہ وہ اس پر آمادہ ہو جائے کہ مہر کی رقم واپس کر دے اور طلاق لے لے۔ یوں اسی مہر پر خاوند کسی دوسری عورت پر اڑنگا ڈال لیتے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں اس قسم کے بُرے افعال کی مذمت کی گئی۔

احساس بیدار کرو تم کیا کر رہے ہو؟

قرآن مجید کی اس آیت میں اسلام کی اخلاقی تعلیم کی خوشبو ''وَ اِنْ'' میں سونگھی جاسکتی ہے اور اگر تم نے اپنی موجودہ بیوی سے ارادہ بنا لیا ہے کہ بے رغبتی برتو اور اس کی جگہ دوسری بیوی لے آؤ۔ حکم سنانے سے پہلے احساس کو جھنجھوڑا جا رہا ہے سوچو تو سہی تم کیا کر رہے ہو؟ اعراض تو رفیقِ محفل سے برتنا بھی پستی کی علامت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیت میں ''زَوْجٍ'' لفظ استعمال کیا گیا تاکہ محسوس ہو کہ بے رغبتیاں بے رغبتی ہی کو جنم دیتی ہیں۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ ''زَوْجٍ'' کا لفظ بیوی اور خاوند دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ ارادہ اگر دونوں طرف نفرت کی آگ لگا دے اور برداشت کی جگہ استبدال آجائے تو پھر یہ ضرور کرو کہ سابقہ عطاؤں کے اخلاق کا گلا نہ گھونٹو(46)۔

''قِنْطَارًا'' کا مفہوم

''قنطر علینا'' وہ ہمارے پاس طویل عرصہ تک مقیم رہا۔ ''القنطرہ'' پل اور بڑی عمارت کو کہتے ہیں۔ راغب نے لکھا کہ غیر متعین اور کثیر مال کو''قِنْطَارًا'' کہتے ہیں۔ زیادہ مال پل کی طرح ہوتا ہے جس سے انسان زندگی بھر فائدہ اٹھاتا ہے (47)۔

مرد کی مردانگی اسی میں ہے

آیت مردانہ کردار کی وضاحت کرتی ہے اور خاوندوں کے سامنے ایک شرعی اور معاشرتی کردار کا نمونہ رکھتی ہے۔ انہیں سمجھاتی ہے کہ اگر تم اپنی بیویوں کو ڈھیروں ڈھیر مال بھی دے چکے ہو تو ان سے واپس نہ لو۔ مردوں کو مزید سمجھایا جا رہا ہے کہ تمہیں بدنامی، پستی، تہمت اور کھلے گناہ کا راستہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ یہ مردانگی تھوڑی ہی ہوتی ہے کہ جب گھر لاؤ تو کانوں میں سونے کے قیمتی زیورات آراستہ کرو اور جب تبدیلیٔ زوج کی حکمت اختیار کرنا پڑے تو عورت کو رخصت کرتے ہوئے اس بے چاری سے نالہ حبالہ بھی چھین لو۔

''بہتان'' کا معنیٰ

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں کہ ''بھتان'' لغت میں اس جھوٹ کو کہتے ہیں جو کسی انسان کے سامنے ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس کو جھوٹا کہنے پر اکسائے۔ اصل میں وہ شخص جھوٹا نہ ہو ''بھت'' کا معنیٰ ہی حیرانگی میں وہ کچھ کر جانا ہوتا ہے جو اصل میں موجود نہ ہو اسی باطل اور ظلم کو''بھتان'' کہہ دیتے ہیں(48)۔

وَ كَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَ قَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾

''اور تم اس سے وہ کیسے لوگے حالانکہ تم ایک دوسرے سے خلوت کا ملاپ کر چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں''۔

آیت استفہام انکاری سے شروع ہو رہی ہے اور یہ مردوں کے اندر پرانی محبتوں کے خشک سوتے جاری کرنے کے لیے ہے۔ کہا یہ جا رہا ہے کہ تم اور تمہاری بیویاں مدتوں یکجا رہے، تمہارا میل میلاپ رہا۔ تم ایک دوسرے پر فریفتہ ہونے کے دعوے کرتے رہے۔ ایک ہی چادر اور ایک ہی بستر تمہاری محبتوں کے گواہ بنتے رہے۔ تم ایک روح اور دو قالب کے امین بنے رہے۔ نان نمک تمہارا یکجائی کی تاریخ رقم کرتا رہا۔ ''مندریوں کے تھیوے'' تمہاری محبت کے گیت گنگناتے رہے۔ اچانک جب مزاج بگڑا اور بدلا تو دھیلے دھیلے کا حساب کرنے بیٹھ گئے۔

آیت میں ''اَفْضٰی'' کا لفظ ''فضا'' سے ماخوذ ہے۔ وسیع مکان اور کھلی زمین ''فضا'' کہلاتی ہے۔ ''اَفْضٰی'' کا معنیٰ ہاتھ کا کھلے طور پر کہیں رسائی پا لینا ہوتا ہے۔ آیت میں جماع یا خلوت صحیحہ سے کنایہ استعمال ہوا ہے (49)۔

''میثاق غلیظ'' سے مراد اللہ کی امانت ہے۔ بعض مفسرین نے اس سے مراد

نکاح لیا ہے۔ آیت میں تفسیری عمود عورتوں کے معاشی حقوق ادا کرنے کی تحریص ہے۔
ابوحیان اندلسی نے ''غلظ'' کا معنیٰ قوت اور عظمت سے لیا ہے کہ عہد پختہ، مضبوط اور عظمت مآب تھا(50)۔

اللہ کی امانتیں جب بھی باندھو تو پکی رسیوں سے باندھو اسی میں بہتری ہے۔

وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا ؕ وَ سَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾

''اور تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ دادے نکاح کر چکے ہیں البتہ جو گزر چکا سو گزر چکا، بے شک ایسا کرنا کھلی بے حیائی اور باعثِ غضب معاملہ اور بری راہ ہے''۔

شان نزول

ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:
زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی شخص فوت ہو جاتا تو اس کی زوجہ پر اس کا بیٹا جو دوسری بیوی سے ہوتا وہ اپنی سوتیلی ماں پر زیادہ حقدار بن جاتا اور نکاح کر لیتا یا کسی دوسرے کو وہ بیاہ دیتا۔ جب ابوقیس بن سلمہ انصاری فوت ہوئے تو ان کا بیٹا محض سوتیلی ماں کا وارث بن گیا۔
طبرانی کی روایت کے مطابق بیٹے نے اپنی ماں کو نکاح کا پیغام دیا تو اس عورت نے کہا: میں تمہیں بیٹا شمار کرتی رہی اور تم اپنی قوم کے نیک آدمی ہو بھی، آؤ میں حضور ﷺ سے پوچھتی ہوں دیکھو وہ کیا فرماتے ہیں؟
حضور ﷺ نے اسے تو واپس کر دیا اور فرمایا:
دیکھو! اللہ کیا رہنمائی فرماتا ہے، اس پر یہ آیت اتری اور مسئلہ حل ہو گیا(51)۔

رشتوں کا تقدس

قرآن مجید کی یہ آیت اولاد کے لیے ماں باپ کے رشتوں کا تقدس واضح کرتی ہے۔ وہ عورتیں جن سے باپ نکاح کر چکے ہوں ان سے شادی نکاح ہرگز نہیں ہو سکتا۔
اس شنیع عمل کی تین برائیاں صحیفۂ نور نے بیان کیں:

❁ **یہ فحش حرکت ہے**

آیت نے اسے اخلاقی پائمالگی قرار دیا۔ بے حیائی کی اس سے بڑی مثال کیا ہو سکتی ہے کہ انسان ماں کے ساتھ اس رویہ کو اپنائے جو بیوی کے ساتھ اپنایا جاتا ہے۔

❁ **نفرت کا سبب عمل**

یہ حرکت نفرت کا سبب بنتی ہے۔ معاشرہ اسے قبول نہیں کرتا۔
ایسے نکاحوں سے جو بچے پیدا ہوتے ہیں وہ مقیت کہلاتے ہیں یعنی قابل نفرت اولاد کہلاتی ہے۔ مقیت کا معنیٰ غصہ اور غضب بھی ہوتا ہے۔ جس چیز کو جاہلی معاشرہ بھی قابل نفرت سمجھے اسلام اس کو کیسے گوارا کر سکتا ہے۔

❁ **یہ برا راستہ ہے**

تاریخ اس کی گواہ ہے کہ کسی دور میں بھی اس قسم کی شادیوں کو پسندیدہ نہیں سمجھا گیا اور اسے ان احترامات کی ہتک سمجھا گیا ہے جو مذہب اور دین کی دنیا میں مسلمہ سمجھے جاتے ہیں۔ واللہ اعلم

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآىٕكُمْ وَ رَبَآىٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ؗ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ؗ وَ حَلَآىٕلُ اَبْنَآىٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾

''تم پر حرام کر دی گئی ہیں مائیں تمہاری اور بیٹیاں تمہاری اور بہنیں اور پھوپھیاں تمہاری اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں تمہاری اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری گود میں پرورش پانے والی وہ لڑکیاں جو تمہاری ان بیویوں سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو اور اگر تم نے ان سے جماع نہیں کیا تو پھر تم پر انہیں لینے میں کوئی گناہ نہیں اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو اکٹھا کر لو مگر جو گزر گیا سو گزر گیا، بے شک اللہ بخشنے والا بے حد مہربان ہے''۔

سوتیلی ماں سے نکاح کی حرمت بیان کرنے کے بعد وہ عورتیں قاری قرآن کے سامنے بیان کی جا رہی ہیں جن سے نکاح جائز نہیں۔ قرآن مجید نے پہلے محرماتِ نسبی بیان کیں اور وہ تعداد میں سات ہیں:

1۔ مائیں
2۔ بیٹیاں
3۔ بہنیں
4۔ پھوپھیاں
5۔ خالائیں
6۔ بھتیجیاں
7۔ بھانجیاں

دادیاں اور نانیاں اوپر تک ماؤں کے حکم میں داخل ہیں، اس طرح پوتیاں نواسیاں نیچے تک بیٹیوں کے حکم میں داخل ہیں اور عینی، علاتی اور اخیافی سب بہن کے حکم میں داخل ہیں اور پھوپھیوں میں باپ دادا اور اوپر تک کی پشتوں کی بہنیں سگی ہوں یا سوتیلی داخل ہیں اور خالہ کے حکم میں ماں نانی سب کی بہنیں داخل ہیں اور بھتیجیوں میں تینوں قسم کے بھائیوں کی اولاد اور اولاد الاولاد داخل ہے اور بھانجیوں میں تینوں قسم کی بہنوں کی اولاد اور اولاد الاولاد داخل ہے(52)۔

محارم رضاعی

آیت کا دوسرا حصہ ان محارم کے بیان میں ہے جو رضاعت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔
اس باب میں قرآن مجید نے صرف دو گروہوں کی طرف اشارہ کیا ہے:

1۔ تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے۔
2۔ اور تمہاری وہ بہنیں جو دودھ شریک ہونے کی وجہ سے بہنیں بنی ہیں۔

قرآن مجید کی آیت نے اگرچہ دو ہی گروہ نقل کیے ہیں لیکن آثار و شواہد کی بنا پر رضاعی محارم ان دو رشتوں تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ تمام افراد جو نسبی رشتہ کی وجہ سے حرام ہوں وہ دودھ پلائی کی وجہ سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔

بقیہ: صفحہ نمبر 23 پر

آؤ راہِ قلندری چلیں!

حافظ سخی احمد خان

عَنْ حُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلِيٌّ مِنِّي وَأَنَا مِنْ عَلِيٍّ، وَلَا يُؤَدِّي عَنِّي إِلَّا أَنَا أَوْ عَلِيٌّ (ترمذی)

"حضرت حبشی بن جنادہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ علی ؓ مجھ سے ہے اور میں ﷺ علی ؓ سے ہوں اور میری طرف سے حق امانت صرف میں ﷺ خود ادا کر سکتا ہوں یا پھر علی ؓ ادا کر سکتا ہے"۔

ماہِ صفر اولیاء کا مہینہ ہے اسی مناسبت سے اس روایتِ اختصاص کی تفہیم کے لیے درج ذیل نکات قائم کیے جا رہے ہیں:

1۔ روایت کو بیان کرنے والے محدثین
2۔ ایک اور خاصۂ مولا مرتضیٰ ؓ
3۔ سورۂ برأت کا پیغام سنانے کے لیے
4۔ حجۃ الوداع کے موقع پر
5۔ قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری سونپتے ہوئے
6۔ جانشینِ مصطفیٰ ﷺ
7۔ آؤ راہِ قلندری پر چلیں

1۔ روایت کو بیان کرنے والے محدثین

اس روایت کی ثقاہت کو سمجھنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ امام ترمذی نے جامع ترمذی میں، امام ابو داؤد نے سنن ابی داؤد میں، امام ابن ماجہ نے سنن ابن ماجہ میں، امام ابو بکر ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف اور مسند دونوں میں، امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند اور فضائل الصحابہ دونوں میں، امام ابو بکر بن ابی عاصم الشیبانی نے الاحاد والمثانی اور السنۃ لابن ابی عاصم دونوں میں اسے روایت کیا ہے۔ مزید برآں امام نسائی نے السنن الکبریٰ میں، امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں، امام ابن المغازلی نے مناقب مغازلی میں اور امام ابو الحسن المبارک الطیوری نے الطیوریات میں اسے بیان کیا ہے۔ درج بالا محدثین میں سے تین کی کتب تو صحاح ستہ میں شامل ہیں۔

2۔ ایک اور خاصۂ مولا مرتضیٰ ؓ

دیگر بہت سے خصائص کے ساتھ یہ بھی خاصۂ مولا مرتضیٰ ؓ ہے کہ ادائیگی حق امانت کو رسول اللہ ﷺ نے صرف اور صرف اُنہی کے ساتھ مخصوص فرمایا۔ فرمانِ رسول کریم ﷺ میں یہ حصر واضح اور نمایاں ہے۔ ہمیں انکار نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو مختلف اعزازات اور خصائص سے نوازا مگر مولا علی المرتضیٰ ؓ اس لحاظ سے یکتا اور منفرد ہیں کہ جتنے خصائص مولا علی ؓ کے حصہ میں آئے وہ کسی اور کا نصیب نہ ہو سکے۔ خصائص مولا علی ؓ کی کثرت کا عالم یہ ہے کہ اَبو عبد الرحمن اَحمد بن شعیب بن علی الخراسانی المعروف امام نسائی علیہ الرحمہ نے اپنی تصنیف خصائص علی ؓ میں انہیں جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ علامہ ابن ابی الحدید خصائص علی المرتضیٰ ؓ پر یوں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں:

وَكَانَ جَمِيعُ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ كَاتِباً
إِذَا كَلَّ مِنْهُمْ وَاحِدٌ بَعْدُ وَاحِدٌ
فَخَطُّوا جَمِيعاً مَنْقَباً بَعْدَ مَنْقَبٍ
لَمَا خُطَّ مِنْ تِلْكَ الْمَنَاقِبِ وَاحِدٌ

"اگر تمام انسان اور جنات مولا علی ؓ کے مناقب اور خصائص یکے بعد دیگرے لکھتے جائیں تو وہ تمام تھک جائیں گے مگر مولا مرتضیٰ ؓ کے ایک بھی خاصہ اور فضیلت کا احاطہ نہیں کر پائیں گے"۔

3۔ سورۂ براءت کا پیغام سنانے کے لیے

"وَلَا يُؤَدِّي عَنِّي إِلَّا أَنَا أَوْ عَلِيٌّ" جن مواقع پر ارشاد فرمایا، اُن میں سے ایک موقع وہ ہے جب 9 ہجری کو آقا کریم ﷺ نے فتح مکہ کے بعد حضرت سیدنا ابو بکر صدیق ؓ کو امیر حج مقرر کیا اور مسلمانوں کو اُن کی امارت میں حج کے لیے روانگی کا حکم دیا۔ سورہ توبہ کا ایک نام سورہ برأت بھی ہے کیونکہ اس میں مشرکین سے اظہارِ برأت کا اعلان ہے۔ اس سورہ کے نزول کے بارے میں مفسرین کی دو آراء ہیں کہ اس سورت کی ابتدائی آیات غزوہ تبوک سے پہلے نازل ہوئیں یا پھر غزوۂ تبوک کے بعد نازل ہوئیں۔ مگر اس بات پر تمام مفسرین، محدثین اور مؤرخین کا اتفاق ہے کہ حج کی ادائیگی کے لیے حضرت سیدنا ابو بکر ؓ کی امارت میں مسلمانوں کا قافلہ مدینہ پاک سے مکۃ المکرمہ کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ جب حضرت مولا علی ؑ کو حکم ہوا کہ وہ جا کر اس قافلہ میں نہ صرف شریک ہوں بلکہ عرفات کے میدان میں سورہ برأت کی آیات کی تلاوت سنا کر مشرکین و دشمنانِ مصطفیٰ ﷺ کو دوٹوک پیغام دے دیں کہ آج کے بعد معاہدوں اور وعدوں کی خلاف ورزی ہرگز برداشت نہ کی جائے گی اور چار ماہ کی مہلت دی جا رہی ہے۔ اس مہلت میں اپنی اصلاح کر لیں وگرنہ اُنہیں ان کی شامتِ اعمال کی پوری پوری سزا دی جائے گی۔ امام طبرانی کی المعجم الکبیر سے روایت کے مختصر الفاظ ملاحظہ ہوں:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ أَبَا بَكْرٍ بِبَرَاءَةٍ، ثُمَّ أَتْبَعَهُ عَلِيًّا فَأَخَذَهَا فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: حَدَثَ فِيَّ شَيْءٌ؟ قَالَ: »لَا، أَنْتَ صَاحِبِي فِي الْغَارِ، وَعَلَى الْحَوْضِ وَلَا يُؤَدِّي عَنِّي إِلَّا أَنَا أَوْ عَلِيٌّ

”رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر ؓ کو سورۂ برأت کی آیات کے ساتھ روانہ فرمایا پھر اُن کے پیچھے مولا علی ؓ کو بھیجا جنہوں نے حضرت ابوبکر ؓ سے وہ آیات لے لیں۔ حضرت ابوبکر ؓ کہتے ہیں کہ میرے دل میں وسوسے آنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایسی کوئی بات نہیں، تم میرے یارِ غار بھی ہو اور حوض پر بھی میرے ساتھی ہو گے مگر معاملہ یہ ہے کہ اس حقِ امانت (اعلانِ برأت) کو میں ادا کرسکتا ہوں یا پھر صرف علی ؓ ہی ادا کرسکتا ہے“۔

اس موقع میں چند اُمور نہایت اہم اور دلچسپ ہیں:

پہلی بات تو یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ یہ اعلان اور ان آیات کا ابلاغ صرف دو ہی لوگ کر سکتے ہیں۔۔۔۔ ایک میں اللہ کا رسول ﷺ اور دوسرا صرف میرا علی ؓ ہے

یہاں دوبارہ یہ امر نمایاں ہے کہ اعلان کی نوعیت کے اعتبار سے تجربہ کار اور آزمودہ افراد کا انتخاب دنیاوی اعتبار سے زیادہ قرینِ قیاس ہوتا ہے اور یہ دونوں باتیں حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ؓ میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ مگر انتخاب مولا مرتضیٰ ؓ اس مقام اور شان و نسبت کو ظاہر کرتا ہے جو صرف آپ ہی کا خاصہ ہے۔ ابوالمؤید موفق بن احمد بن محمد بکری مکی خوارزمی جوسنّی حنفی عالم ہیں۔ مولا علی ؓ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں:

ألاھل من فتی کأبی ترابٍ
امام طاھر فوق الترابِ
اذاما مقلتی رمدت فکحلی
ترابٌ مسَّ نعل أبی ترابٍ
محمّد النّبیُ کمصر علم
امیرالمومنین له کبَابٍ
ھوالبکّاء فی المحراب لکن
ھوالضحاک فی یوم الحرابِ

ابوتراب ؓ جیسا جوان کہاں ہے اور ابوتراب ؓ جیسا پاک رہبر اس دنیا میں کہاں ہے؟

اگر میری آنکھیں تکلیف میں بھی مبتلا ہو جائیں تو میں ان کے جوتے سے لگی ہوئی خاک کو سرمہ بنالوں

حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ علم کا شہر ہیں اور امیر المومنین علی علیہ السلام اس شہرِ علم کا دروازہ ہیں۔

حضرت علی ؓ محرابِ عبادت میں گریہ کرتے اور میدانِ جنگ میں ہنستے ہوئے تشریف لاتے۔

4۔ حجۃ الوداع کے موقع پر

حجۃ الوداع سے مراد وہ موقع عظیمہ جب رسول اللہ ﷺ نے 10 ہجری کو حج ادا فرمایا۔ اور اس کے کچھ ماہ بعد ہی آقا کریم ﷺ نے اس دُنیا سے پردہ فرمالیا۔ یہ گھڑیاں اور یہ موقع اعلانِ تکمیل دین کا تھا۔ محسنِ کائنات اور معلم انسانیت ﷺ اپنی اُمّت کی فلاح و نجات کے لیے ان تمام بُنیادی نکات کا خلاصہ پیش فرمارہے تھے جن کی حاجت وقت کے بدلتے تقاضوں کے تحت پیش آتی رہے گی۔ عورتوں کے حقوق کا ذکر، غلاموں کے ساتھ حُسن سلوک کی ہدایت، تکبر و نخوت کی نفی، مساوات کا درس، انسانیت کی جان و مال و عزت کی حرمت کا اعلان اور اسلام و ایمان کی لازمی باتوں کی یاددہانی خطبہ حجۃ الوداع کا حصّہ تھیں۔ یہ خطبہ اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے اور اسلام کے سماجی، سیاسی اور تمدنی اصولوں کا جامع مرقع ہے۔

درج بالا مختصر سی تمہید سے یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ حجۃ الوداع کا موقع اسلامی تاریخ و تحریک میں کتنی اہمیت کا حامل ہے! رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات مقدسہ میں ایک ہی حج ادا فرمایا اور اسی موقع پر ضروری ہوا کہ اُمّت کی ہر دو جہاں کی کامیابی کے لیے دستور اسلام کے اُمور نہایت وضاحت سے بیان کردیے جائیں۔ نیز حجۃ الوداع پر دور و نزدیک سے آنے والے افراد کا جمِ غفیر بھی تھا۔ حضور خاتم النّبیین ﷺ کے گرد ایک لاکھ چوبیس ہزار یا ایک لاکھ چوالیس ہزار انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے خود یہ ارشاد فرمایا کہ شاید اس کے بعد اس طرح سب سے اجتماعی ملاقات اور وعظ و نصیحت و خطبہ کا موقع نہ ملے۔ محبوب ربّ العالمین ﷺ نے اسی روز کسی موقع پر یہ اعلان بھی حضرت مولا علی المرتضیٰ ؓ کے بارے میں فرمایا۔ مسند امام احمد بن حنبل سے روایت کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

عَنْ حُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ قَالَ يَحْيَى بْنُ آدَمَ السَّلُولِيُّ وَكَانَ قَدْ شَهِدَ يَوْمَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلِيٌّ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ، وَلَا يُؤَدِّي عَنِّي إِلَّا أَنَا أَوْ عَلِيٌّ"

”حضرت حبشی بن جنادہ ؓ سے روایت ہے کہ یحییٰ بن آدم السلولی کہتے ہیں اور وہ حجۃ الوداع کے دن موجود تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علی ؓ مجھ سے ہیں اور میں علی ؓ سے ہوں اور میری طرف سے ادائیگی امانت (اور تکمیل و نقضِ معاہدہ) کی بات صرف میں کروں گا یا پھر علی ؓ کرے گا“۔

موقع کی مناسبت سے اعلان کی اہمیت نہایت نمایاں ہے:

لوگوں کو سنایا جارہا ہے، بتایا جارہا ہے، سکھایا جارہا ہے
کہ میرے غلامو! میرے چاہنے والو! میری شفاعت کے اُمیدوارو!
یاد رکھنا!! علی ؓ مجھ سے ہے اور میں علی ؓ سے ہوں
علی ؓ میرا دلبر ہے، علی ؓ میرا محبوب ہے، علی ؓ کی بات میری بات ہے اور علی ؓ کی چاہت میری چاہت ہے
علی ؓ کو مجھ سے جُدا نہ سمجھنا اور مجھے میرے علی ؓ سے جدا سمجھنے کی جسارت نہ کرنا
وگرنہ تمہارا دین و ایمان سب غارت و برباد ہوجائے گا۔

سرورِ اولیاء ، شاہ فقر و غنا
مرکزِ اتقیاء ، محور اصفیاء
مظہر مصطفےٰ ، ظلِ نورِ خدا
حوضِ کوثر کا دھارا ہے مولا علی رضی اللہ عنہ

5۔قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری سونپتے ہوئے

جنازوں پر آج بھی مسلمانوں کی روایت ہے کہ میت کے ورثاء اور لواحقین کی طرف سے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ میت کے ذمہ جو قرض ہے۔اب اُس کے ذمہ دار میت کے ورثاء ہیں اور میت اپنے تمام قرض سے بری الذمہ ہے۔ اگرچہ جنازے میں شریک ہونے والوں میں دیگر قریبی رشتہ دار بھی ہوتے ہیں، چاہنے والے بھی، عقیدت مند بھی، دوست یار بھی مگر قرض کی ادائیگی کے لیے اعلان صرف اُسی کی طرف سے کیا جاتا ہے جو حقیقی جانشین اور حقیقی وارث ہوتا ہے۔ اسی لیے بعض روایات میں صراحتاً یہ الفاظ موجود ہیں:

وَلَا يَقْضِي عَنِّي دَيْنِي إِلَّا أَنَا أَوْ عَلِيٌّ

’’اور میرا قرض میں خود ادا کروں گا یا پھر میری طرف سے علی رضی اللہ عنہ‘‘

وخیرُ خلقِ اللّٰہِ بَعْدَ المصطفیٰ
اعظمُھم یومَ الفَخار شَرَفا
السَّیِّدَ المُعَظَّمَ الوَصِیُّ
بَعْلُ البَتُولِ المرتضیٰ عَلِیٌّ

6۔جانشین مصطفیٰ ﷺ

دیگر بہت سے مواقع اور روایات اس بات کی مؤید ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے قرض ادا کرنے کا جب بھی اعلان کیا تو ہر بار آپ ﷺ نے اپنے علی رضی اللہ عنہ ہی کا ذکر فرمایا۔ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کی فضائل الصحابہ ہی سے ایک اور روایت کا مطالعہ فرمائیں جس میں آغازِ تحریکِ اسلام ہی میں مولا علی رضی اللہ عنہ نے خود کو اس ذمہ داری کے لیے پیش کیا اور پھر آقا کریم ﷺ نے اپنی حیاتِ مُبارک میں ہمیشہ اس منصب اور ذمہ داری کے لیے اپنے علی کرم اللہ وجہہ کا ہی انتخاب کیا:

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ {وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ} [الشعراء: 214] دَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِجَالًا مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ، إِنْ كَانَ الرَّجُلُ مِنْهُمْ لَآكِلًا جَذَعَةً، وَإِنْ كَانَ شَارِبًا فَرَقًا، فَقَدَّمَ إِلَيْهِمْ رِجْلًا، فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا،

’’حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب یہ آیت نازل ہوئی {وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ} رسول اللہ ﷺ نے اپنے خاندان کے مردوں کو بلایا اگر ان میں سے کوئی اکیلا بھی ہوتا تو سارا کھانا کھا جاتا اور ان میں کوئی بھی مشروب پیتا تو سارا ہی مشروب ختم ہوجاتا پس وہ اُس کھانے کی طرف بڑھے انہوں نے کھانا کھایا یہاں تک کہ وہ سب سیراب ہوگئے‘‘۔

فَقَالَ لَهُمْ: »مَنْ يَضْمَنُ عَنِّي دَيْنِي وَمَوَاعِيدِي، وَيَكُونُ مَعِي فِي الْجَنَّةِ، وَيَكُونُ خَلِيفَتِي فِي أَهْلِي؟ فَعَرَضَ ذَلِكَ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ،

’’پس رسول اللہ ﷺ نے اُن سے پوچھا کہ تم میں سے کون میرے قرض اور میرے وعدوں کا ذمہ دار بنے گا؟ اور میرے ساتھ جنت میں ہوگا اور میرے اہل وعیال میں میرا جانشین ہوگا اس پیشکش کو اپنے تمام قبیلے والوں کے سامنے رکھا‘‘۔

فَقَالَ عَلِيٌّ: أَنَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلِيٌّ يَقْضِي عَنِّي دَيْنِي، وَيُنْجِزُ مَوَاعِيدِي

’’حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں قبول کرتا ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا علی رضی اللہ عنہ ہی ہے جو میری طرف سے میرے قرض کو ادا کرے گا اور یہی میرے وعدوں کی تکمیل کرے گا‘‘۔

مسند البزاز سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سوال کو کئی بار دہرایا۔ مگر ہر بار حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ ہی نے جواب دیا اور پھر رسول اللہ ﷺ نے بھی مولا علی کرم اللہ وجہہ کو پسند فرمایا:

فَقَالَ: " أَيُّكُمْ يَقْضِي عَنِّي دَيْنِي؟ قَالَ: فَسَكَتَ وَسَكَتَ الْقَوْمُ، فَأَعَادَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَنْطِقَ، فَقُلْتُ: أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ،

’’رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کہ تم میں سے کون میری طرف سے قرض ادا کرے گا رسول اللہ ﷺ خاموش ہوئے اور لوگوں میں سے کسی نے بھی جواب نہ دیا رسول اللہ ﷺ نے اپنی بات دہرائی مولا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یارسول اللہ ﷺ! میں کروں گا‘‘۔

قَالَ: أَنْتَ يَا عَلِيُّ؟ أَنْتَ يَا عَلِيُّ

’’رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں اے علی رضی اللہ عنہ تو ہی ہے، اے علی رضی اللہ عنہ تو ہی ہوسکتا ہے‘‘

مولا علی رضی اللہ عنہ کے ذمہ وہ تمام اُمور تھے جو کسی بھی جانشین کے سپرد ہوتے ہیں۔ اسی لیے مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم دو دو قربانیاں فرماتے۔ جب اس کی علت وحکمت پوچھی گئی تو بارگاہِ مرتضویت سے جو جواب ملا۔ سنن ابوداؤد سے وہ درج ذیل ہے:

عَنْ حَنَشٍ قَالَ: رَأَيْتُ عَلِيًّا رضي الله عنه يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ لَهُ: مَا هَذَا؟

’’حضرت حنش رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں مولا علی رضی اللہ عنہ کو دو مینڈھوں کی قربانی کرتے ہوئے دیکھا تو عرض کی: یہ کیا ہے؟‘‘

فَقَالَ : أَوْصَانِي رَسُولُ اللَّهِ صلي الله عليه وآله وسلم أَنْ أُضَحِّيَ عَنْهُ فَأَنَا أُضَحِّي عَنْهُ

’’ارشاد فرمایا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے وصیت فرمائی تھی کہ میں آقا کریم ﷺ کی طرف سے قربانی کروں لہذا میں اپنے آقا ﷺ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں‘‘۔

قرض کی ادائیگی کے اعلان کے موقع پر ’’**وَلَا يُؤَدِّي عَنِّي إِلَّا أَنَا أَوْ عَلِي**‘‘ کہنا مناسب ہے کیونکہ یہ اعلان ہوتا ہے کہ وہ کون ہے؟ جو میرا حقیقی اور ذاتی وارث ہوسکتا ہے۔ اس اعتبار سے بھی دیکھیں، سوچیں اور سمجھیں تو یہ خاصۂ مولا مرتضیٰ مشکل کشا، حیدر کرار حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہی ہے اور اس میں کوئی دوسرا ان کا شریک نہ ہے اور شریک ہو بھی نہیں سکتا۔ وگرنہ کوئی اور ایسا بتائیں جس کو رسول اللہ ﷺ نے یہ وصیت کی ہو اور اس کے اس منصب کا برسرِ مجلس اعلان کیا ہو۔

یہ اعلان وہ ہے جو آغازِ تحریک اسلام میں بھی ہوا
اور حجۃ الوداع کے موقع پر بھی اس اعلان کو دہرایا گیا
یعنی آغازِ تحریک سے لےکر اسلام کے عروج کی تاریخ تک
میرا قرض کون ادا کرے گا؟۔۔۔۔علی علی علی علیؓ
میرے وعدوں کو کون پورا کرے گا؟۔۔۔۔۔علی علی علی علیؓ
میرا جانشین کون بنے گا؟۔۔۔۔علی علی علی علیؓ

اس داستانِ محبت کو طویل سے طویل تر کیا جا سکتا ہے مگر درج ذیل اشعار بارگاہ مولا علیؓ میں عشق کی کہانی کو لذیذ تر کر دیں گے

نجوم لاکھ ملے آفتاب مل نہ سکا
کوئی بھی ہم لقبِ بوتراب مل نہ سکا
ہر ایک بزم میں ڈھونڈا چراغِ دل لے کر
خدا گواہ علی کا جواب مل نہ سکا

7۔آؤ راہِ قلندری چلیں

نبی کے صدقے عنایت علیؓ کی ملتی ہے
نصیب والوں کو چاہت علیؓ کی ملتی ہے
ہر اک ولی کو ولایت علیؓ کی ملتی ہے
قلندروں کو امامت علیؓ کی ملتی ہے

علمائے ذی احتشام اور فقیہانِ عزت وعظمت پریشان نہ ہوں کہ یہ بحث خلافت و افضلیت کی نہیں ہے، ہمارا ایمان ویقین وایقان یہی ہے کہ خلافتِ راشدہ کے عظیم منصب پر سب سے پہلے سیدنا ابوبکر صدیقؓ، پھر سیدنا عمر فاروقِ اعظمؓ اور پھر سیدنا عثمان ذوالنورینؓ ہیں۔ اُن کے بعد یہ منصب مولا علی المرتضیٰؓ کے پاس آیا اور امام حسن المجتبیٰؓ کے چھ ماہ کی خلافت کے ساتھ ہی خلافتِ راشدہ کی مدت مکمل ہوگئی۔ مگر کبھی عبدالرحمٰن جامی کے عشق کو بھی تو سمجھیں:

علی شاہِ حیدر اماما کبیرا
کہ بعد از نبی شد بشیرا نذیرا
زمین و آسماں ، عرش و کرسی بحکمش
علی داں علیٰ کل شئ قدیرا
علی اولیاء را دلیل است برحق
علی انبیاء را ولیا نصیرا
زتو ہست روشن مہ و مہر و کوکب
توئی در دو عالم سراجا منیرا
بجنگِ احد چوں نبی ماند تنہا
خدایش فرستادہ نادِ علی را
بہ بد خواہِ اولادِ حیدر خدا گفت
کہ یَدعُو ثبورا وَ یَصلیٰ سَعِیرَا
ز تو نیست پوشیدہ احوالِ جامی
کہ ہستی بمعنی سمِیعا بَصِیرَا

کبھی حضرت پیر رومی حضرت شاہ شمس تبریز علیہ الرحمہ کے ترانہ قلندری میں مست ہوں:

مستِ ولائے حیدرمؑ، دم همه دم علی علیؑ
هر دو جهان زه دل بهرم، دم همه دم علی علیؑ
شاهِ شریعتم علیؑ، پیرِ طریقتم علیؑ
حق به علیؑ حقیقتم، دم همه دم علی علیؑ
نقطهء پائے بسم الله، سِرّے سراالٰی اِله
اوّلِ نقش والقلم، دم همه دم علیؑ علیؑ
شعلهء طُورِ کُل کفا، شمعِ فروزِ اِنّما
نورِ نمائی ظلمتم، دم همه دم علیؑ علیؑ
نعرهِ هائے هُو کُنم، سُوئے نجف رواں شِوم
بوسه به آستاں ظنم، دم همه دم علی علیؑ!!
ساقیِ با وفا منم، دم دمه دم علی علیؑ
صوفیء با وفا منم، دم همه دم علی علیؑ
عاشقِ مرتضیٰؑ منم، دم همه دم علی علیؑ
مطربِ خشبو منم، دم همه دم علی علیؑ
آدمِ با صفا توئی، یوسفِؑ مه لق ا توئی
خضرِ رهِ توئ، دم دمه دم علی علیؑ
عیسیٰ مریمی توئ، یوسفِ مه لق ا توئی
شیرِ نرِ خدا توئی، دم همه دم علی علیؑ
شاهِ شریعتم توئ، پیرِ طریقتم توئی
حق به حقیقتم توئ، دم همه دم علی علیؑ
شمس توئ قمر توئ، بحر توئ و بر توئی
مالکِ خشک و تر توئ، دم دمه دم علی علیؑ
همدمِ سیدالبشر ، راجع شمس و القمر
بابِ شبیرو هم شبّرؑ، دم همه دم علی علیؑ
سیدِ سرور (ﷺ) کرم، گفته به تو اے ابنِ عم
لحمک لحمی، دمکُ دم، دم همه دم علی علیؑ
آیهء اِنّما برت، تاج ز لا فتیٰ سرت
شمس غلامُ قنبرم، دم همه دم علیعلیؑ

کبھی حضرت بو علی قلندر علیہ الرحمہ کا قلندری گیت بھی سُنیں اور دو رنگی چھوڑ کر قلندری رنگ میں آ جائیں جہاں ہم سب کی ملاقات شیر یزدانم ، جانشینِ مصطفیٰ ﷺ مولا علی المرتضیٰؓ سے ہوگی اور سب مل کر گنگنائیں گے:

حیدریم قلندرم مستم
بندهِ مرتضیٰ علیؑ هستم
پیشوائے تمام رندانم
که سگِ کوئے شیرِ یزدانم

شیخ الاسلام

حضرت بہاؤالدین زکریا علیہ الرحمۃ ملتانی

علامہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت غوث العالمین بہاؤالحق والدین ۱۷؍ رمضان المبارک 566ھ جمعہ کے دن مدینۃ الاولیاء ملتان کے نواح میں پیدا ہوئے اور ۷؍ صفر المظفر 666ھ جمعرات کے دن آپ کا وصال ہوا۔ اس طرح تقریباً ایک صدی تک آپ ملتان کے افق سماء پر روحانیت، صالحیت، ولایت اور پاکیزگی کا آفتاب بن کر چمکے۔ آپ نے اپنی روحانیت اور ولایت سے صرف ملتان والوں کو نہیں بلکہ دور دراز تک کے لاکھوں مسلمانوں کو منور و مستفیض فرمایا۔

ملتان آپ کے زمانے میں سندھ کا دار الخلافہ تھا اور اس کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ سندھ اور پنجاب دونوں سے برابر کا تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ حضور غوث العالمین سیدنا بہاؤالدین زکریا کے فیوض و برکات جو ملتان سے ظاہر ہوئے، انہوں نے سندھ کی سرزمین کو بھی روشن کیا اور پنجاب بھی ان کے انوار و برکات سے محروم نہ رہا۔

ظاہری و باطنی کمالات کا جامع

حضرت غوث بہاؤالدین زکریا اولیاء کبار میں شمار کیے جاتے ہیں اور آپ ایک ایسی جامع ہستی تھے، جنہوں نے اپنے اندر علوم ظاہری اور علوم باطنی کے تمام کمالات کو جمع کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام نعمتوں سے ان کو نوازا تھا۔ ظاہری نعمتیں بھی ان کو عطا فرمائیں اور باطنی نعمتوں سے بھی ان کو نوازا۔ آپ کے ہاں دولت دنیا کی بھی کمی نہ تھی اور دین کی دولت بھی آپ کے پاس بفضلہٖ تعالیٰ کثرت سے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زراعت و تجارت کے ذریعے اموال کثیر عطا فرمائے اور مورخین نے لکھا ہے کہ آپ کی سالانہ اوسط آمدنی تقریباً پچھتر ہزار دینار تھی لیکن خزانۂ عامرہ سے ہمیشہ غرباء و مساکین اور اہل حاجت پلتے رہے اور آپ کا کثیر مال فقراء اور غرباء پر صرف ہوتا رہا۔

ولی کون؟

آپ ولی کامل ہیں اور ولی "ولا" سے ماخوذ ہے۔ "ولا" سے مراد ہے "محبت"، اور محبت سے یہاں خدا کی محبت مراد ہے جو کمال انسانی کا جوہر ہے۔ اس لیے ولی خدا کا دوست اور محب ہوتا ہے۔ اس کے دل میں خدا ہی کی محبت ہوتی ہے اور جس کے دل میں خدا کی محبت ہوتی ہے، وہ دنیا کی محبت اپنے دل میں نہیں رکھتا مال و دولت اور سیم و زر کی محبت اس کے دل میں نہیں ہوتی۔ حضرت غوث بہاؤ الحق والدین زکریا ملتانی باوجود اس کے کہ دولت دنیا سے بھرپور تھے لیکن آپ کے دل میں دولت دنیا کے لئے کوئی محبت نہ تھی۔

نہ مال و دولت دنیا نہ رشتہ و پیوند

تواریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ اتفاق ایسا ہوا کہ پانچ ہزار اشرفیوں کا کوئی صندوق گم ہوگیا۔ جب آپ کو بتایا گیا تو آپ نے فرمایا "الحمدللہ!" کچھ دنوں بعد وہ صندوق دستیاب ہوگیا اور آپ سے عرض کیا گیا کہ حضرت! پانچ ہزار اشرفیوں والا صندوق مل گیا ہے۔ تو آپ نے اس وقت بھی ارشاد فرمایا، "الحمد للہ" کسی نے آپ سے پوچھا: حضرت! اس وقت بھی آپ نے فرمایا تھا، "الحمد للہ" اور اب بھی آپ فرما رہے ہیں کہ "الحمد للہ" اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے جواب دیا، "جس وقت مجھے اس صندوق کے گم ہونے کی اطلاع ملی تو میں نے اپنے دل کا جائزہ لیا اور میں نے دیکھا کہ میرے دل میں اس صندوق کی گمشدگی کا کوئی ملال نہیں تھا۔ اس پر میں نے اللہ کی اس نعمت پر کہ میرا دل مال کی محبت سے پاک ہے، اللہ کا شکر ادا کیا اور جس وقت مجھے اس صندوق کے دوبارہ دستیاب ہونے کی خبر ملی تو اس وقت بھی میں نے اپنے دل کو ٹٹولا اور محسوس کیا کہ میرے دل میں اس کے ملنے کی کوئی خوشی نہیں پائی جاتی، چنانچہ میں نے اس وقت بھی "الحمد للہ" پڑھا کیونکہ میرا دل اس وقت بھی دنیا کے مال کی محبت سے خالی تھا اور اس میں اللہ کی محبت کے سوا کسی اور کی محبت نہ تھی۔

شان ولایت

مختصر یہ کہ ولایت کی شان یہ ہے کہ اللہ کی کامل محبت انسان کے دل میں پائی جائے اور جس کے دل میں اللہ ہی کی محبت ہوگی تو وہ جو کام بھی کرے گا، اللہ کی محبت کے لئے کرے گا کیونکہ جہاں خدا کی محبت ہو وہاں تو اطاعت کی محبت پائی جائے گی۔ وہاں تو حب حسنات اور حب خیرات ہوگی اور حب شہوات سے وہ بالکل پاک ہوگا۔ کیونکہ حب شہوات تو ان دلوں میں پائی جاتی ہے جو دل خدا کی محبت سے خالی ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ تو خدا کی محبت کا مرکز ہوتے ہیں۔ ان کی پوری شخصیت خدا کی محبت سے رنگی ہوئی نظر آتی ہے اور خدا کی محبت سے ان کے قلوب بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی فطرت اور ان کی طبیعت دنیوی امور کی محبت سے بالکل پاک ہوتی ہے اور وہ اللہ کا ذکر اس لیے کرتے ہیں کہ انہیں اللہ کے ذکر میں لذت آتی ہے۔

علم کی تلاش

حضور سیدنا غوث بہاؤالدین زکریا ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ باطنی علوم میں بھی پوری دسترس رکھتے تھے۔ آپ نے علم کے حصول کے لیے دیار و امصار کا سفر اختیار کیا۔ آپ خراسان، عراق اور حجاز مقدسہ پہنچے اور وہاں اپنے زمانہ کے نامور علماء سے مروجہ علوم حاصل کیے۔ بالخصوص علم حدیث آپ نے ایسے اساتذہ سے حاصل کیا جو یکتائے زمانہ تھے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی سے ملاقات

تلاش مرشد میں آپ بغداد پہنچے اور یہاں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے کل سترہ دن ان کے پاس قیام فرمایا اور سترہ دن بعد ہی شیخ شہاب الدین سہروردی نے آپ کو خرقہ خلافت عطا فرمایا جو اصحاب پہلے سے ان کی خدمت میں مامور تھے، انہیں یہ دیکھ کر بڑا رشک آیا اور انہوں نے سوچا کہ ہم مدت سے یہاں موجود ہیں اور اس دولت سے محروم ہیں لیکن حضرت بہاؤالدین زکریا کو یہ دولت فقط سترہ دنوں میں عطا کردی گئی۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کو جب معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا تم گیلی لکڑی کی طرح ہو جب کہ بہاؤالدین زکریا خشک لکڑی کی مانند ہیں جو بہت جلد آگ کو پکڑ لیتی ہے اور اس آگ سے مراد آتش عشق الٰہی ہے۔ کیونکہ اللہ کا عشق ہی تو ولایت کی حقیقت ہے۔

بقیہ: صفحہ نمبر 30 پر

بوئے گل لے گئی بیرونِ چمن رازِ چمن

کراچی شہر کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ آغوشِ مادر کی طرح گل پروری اور قائدین پروری کرتا ہے۔ یہاں لوگوں کی یادیں جب نہاں خانۂ دل میں شمعیں روشن کرتی ہیں اور دل اظہارات کے مرغزاروں میں اکلیلیں بھرنے کے لیے تڑپتا ہے تو سوچنے لگ جاتا ہوں "کس میں ہے تاب سنے آپ کا افسانۂ دل"۔ آج جب خبر ملی کہ علامہ خلیل الرحمن چشتی اللہ کو پیارے ہوگئے تو کئی یادیں، باتیں، حکایتیں اور واقعات لوحِ دل پر چمکنے لگ گئے۔ ایک خاص طبقہ کے ساتھ ان کی وابستگی شکوک وشبہات سے بالا تھی۔ وہ ایک تخلیقی ذہن رکھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مذہب، تاریخ اور تہذیبی روایات ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔

ہیر کجا رفتم غبارِ زندگی درپیش بود
مارب ایں خاکِ ریشاں از کجا برداشتم (بیدم)

کراچی شہر میں فقیر راہ ابوتراب نے دس سال نساء کلب میں ماہانہ درس قرآن دیا۔ علامہ چشتی ہر درس، ہر آمد، ہر عصرانے، ہر عشایئے اور ہر محفلِ گفتگو میں موجود رہے۔ اس میں شاہ تراب الحق قادری رضوی کی مہربانیاں بھی شامل تھیں۔ خلیل الرحمن چشتی دھڑلے کا نظریاتی شخص تھا اور نظریاتی رہا۔ آلِ رسول کا یہ فدائی اپنی آخری عمر میں مجھ سے ملاقات نہ کرسکا لیکن ایک جلسے میں دیکھا کہ وہ محبت گاہ الفت میں درسِ قرآن سننے کے لیے موجود تھا اور پھر خاموشی سے خانہ رسیدی کی منزل پانے کے لیے ملاقات کے بغیر نکل گیا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ شخص آشیانِ آرزو "شجر طوبیٰ" کی شاخوں پر بنا بیٹھا ہے اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ میں تو ان احباب کے لیے اب بھی دعا گو ہوں جنہوں نے اس شہر کے کنارے طوفانی موجوں کو گواہ بنا کر ارادت کا شہر بنالیا تھا اور پھر خود ہی اسے توڑ دیا۔ براہو عصبیت کا یہ بھی کیسے باادب لوگوں کی محفل میں آگھسی۔

حمید جالندھری نے کیا خوب لکھا:

وائے قسمت ہو گئی ساکت زبانِ آرزو
شوق سے سننے کو تھے وہ ، داستانِ آرزو
روک لے اے ضبط اشکوں کو ، کہیں ایسا نہ ہو
خود زبان بن جائے چشم راز دانِ آرزو

شبِ مہتاب ہے
آبِ رواں ہے
مگر وہ چاند کا ٹکڑا کہاں ہے

اللہ چشتی صاحب کو حسینی جوارِ رحمت نصیب فرمائے۔ آمین

سید ریاض حسین شاہ

طوفانِ بدتمیزی کی غبار میں شاہ جی کریم کی خدمت میں ایک گلدستہ، دعا کی امید کے ساتھ

جانِ مَن، روحِ مَن، قبلہ ءِ مَن، شیخِ مَن، عزت مآب مفکر اسلام مفسر قرآن شہزادہ ءِ ابوتُراب

علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب زید مجدہ

کے یومِ ولادت باسعادت پر اظہارِ تشکر

سید اعزاز علی شاہ کشمیری

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا۔

"جب اللہ کی طرف سے فضل اور رحمت ملے تو اس پر خوشی مناؤ"۔ (القرآن)

اللہ کریم نے ہمیں اشرف المخلوقات بنا کر اس نبی کی امت میں منتخب کیا جس کا امتی ہونے کے لیے انبیاء نے دعائیں مانگیں۔

جہاں امتِ محمدی ﷺ میں پیدا ہونا ہمارے لیے باعث فخر ہے وہاں آج کے اس پُرفتن دور کے اندر امتی ہونے کا حق ادا کرنا اس سے کہیں بڑی آزمائش ہے۔

جہاں یہودیت اور قادیانیت ہمہ وقت اپنے مضموم مقاصد کے لیے یزیدی چالوں میں مصروف عمل ہیں، وہیں اللہ کریم نے اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت کی صورت میں قبلہ حضور مفکر اسلام مفسر قرآن علامہ سید ریاض حسین شاہ جی زید مجدہ جیسی شخصیت کا وجود ہمارے لیے باعث سعادت بنایا ہے۔

جہاں آج کے اس پُرفتن دور کے اندر حضرت انسان نے سائنسی صنعتی، اقتصادی ترقی کی اعلیٰ منازل طے کی ہیں وہیں مسلمانوں کو مذہبی زوال نے آن گھیرا ہے۔

کم و بیش سوا بارہ سو سالہ عروج اور شان و شوکت کے بعد مسلمانوں نے جب دین کی اصل اقدار کو پس پشت ڈال دیا تو زوال سائے کی طرح ساتھ سفر کرنے لگا۔

یہود اور دیگر اسلام دشمن لوگوں نے موقع غنیمت جانا اور باہمی اتفاق رائے سے مسلمانوں کو کمزور کرنے کی سازشیں شروع کر دیا اور جس دور میں ہم نے دنیا میں آنکھ کھولی اور ہوش سنبھالا تب فتنے اپنے عروج پر تھے۔

اسلام دشمن لوگوں نے قادیانیوں کو اپنے ساتھ ملا کر مسلمانوں کو اتنا کمزور کر دیا تھا کہ حقیقت سے کہیں دور چند لوگ ان کے چند روپیوں پر بِک کر ان کی مرضی کا دین دنیا میں پھیلانے لگ گئے۔ کسی کو رسول ﷺ سے دشمنی اور کسی کو آلِ رسول ﷺ سے، کسی کو محمد ﷺ سے دشمنی کسی کو علی علیہ السلام سے، کسی کو فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا سے خار تو کسی کو سردارانِ جنت سے بغض، الغرض جہاں ہر کوئی اپنی اپنی دشمنیاں نبھاتے ہوئے اپنے بڑوں کو خوش کر رہا تھا وہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے صاحب کردار ماؤں کی اولاد کی رہنمائی اور قیادت کے لیے علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب جیسی شخصیت کو پیدا کیا۔

جس گھر سے اسلام کی دعوت شروع ہوئی، جو گھر دنیا کی تاریکیوں میں روشنیاں اور نور پھیلانے کا مرکز بنا، جس گھر کو اللہ نے ساری دنیا میں عزت و تکریم کا محور بنایا، جس گھر کو عالمِ انسانیت کے لیے منبعِ رُشد و ہدایت بنایا، جہاں کسی کو بابِ مدینۃ العلم اور کسی کو "حسین منی و انا من الحسین" بنایا، جس گھر کے شہزادے جنت کے سردار اور خاتون کو جنت کی خواتین کا سردار بنایا جس گھر کو اللہ نے کائنات میں عزت کا مرجع بنایا، جس گھر کو اللہ نے باطل اور طاغوت کا سر کچلنے والا بنایا، الغرض جس گھر میں اللہ نے تمام فضیلتوں کو جمع کر دیا اسی گھر کے نور نظر، اسی گھر کے چشم و چراغ علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب کو اللہ نے آج کے پُرفتن دور میں باطل اور طاغوت کے مدمقابل قوتِ حیدری و کردارِ حسینی دے کر دنیا میں بھیجا۔

اگر حقائق پر غور کیا جائے اور ساری دنیا کے حالات و واقعات کا تفصیلی جائزہ لیا جائے تو ہم اللہ کریم کے ہاں سجدہ شکر بجالاتے ہیں کہ اس نے ہمیں علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب جیسی شخصیت کی معیت و قربت نصیب فرمائی۔

جہاں لوگوں کی اکثریت دنیا کی قیمت میں بِک گئی، جہاں یہود کے چند ڈالروں کے لیے لوگوں نے اپنا ایمان تھالی میں رکھے ہوئے پھل کی طرح پیش کر دیا وہاں اللہ نے سید ریاض حسین شاہ صاحب جیسی شخصیت کو پیدا کیا جو ان سارے معاملاتِ دنیا سے بے نیاز محض رضائے خداوندی کے لیے دنیا کو حق و صداقت کی راہ پر گامزن ہونے کی رہنمائی فرمارہے ہیں۔

جہاں ہر کوئی اموی کردار کے فروغ میں کوشاں ہے وہاں قبلہ شاہ جی فکرِ حیدری کا پرچم لے کر حق کے راستے پر گامزن ہیں۔

جہاں ہر کوئی یزیدیت کی قدم بوسی میں مصروف عمل ہے وہاں قبلہ شاہ جی کی شخصیت ہے جو حسینی فکر و کردار کا دامن تھامے دنیا کو حق و سچ کی دعوت دینے پر مامور ہے۔

جہاں ہر کوئی چند ڈالروں کی خاطر دین کو دنیا کے لوگوں کی مرضی پر پھیلانے کی کوشش میں کوشاں ہے وہاں قبلہ شاہ جی کی شخصیت ہے جو دنیا و مافیہا سے بے نیاز لوگوں کو راہ خدا دکھانے پر ہمہ وقت کوشاں ہے۔

جہاں ہر کوئی چند روپیوں کے لیے اُمویت کی ترویج میں کوشاں ہے وہاں قبلہ شاہ جی کی ہستی ہے جو دنیا و مافیہا سے بے نیاز قرآن کریم کی تبلیغ اور خدمت میں مصروف عمل ہے۔

جہاں لوگوں کے الفاظ شاہوں کے قصیدوں میں مصروف ہیں وہاں قبلہ شاہ جی حضور کی ہستی ہے جو ہمہ وقت قرآن کریم کی تعلیمات کو عام کرنے پر مامور ہے۔

جہاں لوگوں کی زبانیں باطل کی قصیدہ خوانی میں مصروف ہیں وہاں قبلہ شاہ جی حضور کی ہستی ہے جو حق اور اہلِ حق کی تعلیمات کے فروغ میں کوشاں ہے۔

جہاں لوگوں کے قلم اُمویوں کے لیے حرکت میں آتے ہیں وہاں قبلہ شاہ جی حضور کے قلم کو اللہ نے اپنی رحمت سے نوازا ہے اور وہ ہمہ وقت قرآن اور اہل قرآن کی خدمت میں مصروف عمل ہے۔

الغرض دینِ متین کی تعلیمات کی روشنی میں کسی بھی پہلو کو لیا جائے تو علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب کی شخصیت اللہ کریم کے فضل و کرم کا منبع و عنایت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عکس اور پنجتن پاک کی منظور نظر آتی ہے۔

جہاں دنیا کی حرص و ہوس میں لوگوں نے امویت کا پرچم تھاما وہاں اللہ نے حق و صداقت کی آواز کا علمبردار علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب کو بنایا۔

جہاں دو الفاظ کے علم کے غرور میں آ کر کسی نے بی بی پاک کی بارگاہ میں گستاخی کا ارتکاب کیا وہاں اللہ نے قوت حیدری کا منبع بنا کر قبلہ شاہ صاحب کو یہ شرف بخشا کہ انہوں نے اس کو اس کی حد و اوقات دکھائی۔

جہاں دنیا کی چند روزہ زندگی کی آسائش کے لیے لوگوں نے امویت و یزیدیت کو اپنایا وہاں اللہ نے حسینی کردار کا نمونہ بنا کر قبلہ شاہ جی کو دنیا میں بھیجا، جنھوں نے باطل کا سر پاؤں تلے روند کر حق کا پرچم سربلند کیا.

جہاں نواصب کی تہذیب سے متاثر لوگوں نے امویت کو سر کا تاج بنانا چاہا وہاں اللہ نے لحنِ بوذر کی نعمتِ عظمیٰ سے نواز کر قبلہ شاہ جی کو دنیا میں بھیجا، جنھوں نے حیدر حیدر کے نغمہ حق کو دنیا میں عام کیا۔

جہاں امویت کی تہذیب سے متاثر لوگوں نے لغویات و سبّ و شتم کو اپنایا وہاں اللہ نے صبرِ سجاد کا مرقع علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب کو بنایا، جنھوں نے قرآن و صاحب قرآن کی تعلیمات کی ترویج کے لیے خود کو صرف کر دیا۔

جہاں لوگوں نے فتنہ و فسادات پھیلانے کے لیے خود کو پیش کیا وہاں اللہ نے تبصرہ کی صورت میں قبلہ شاہ صاحب کو عظیم شاہکار سے نوازا جو ایمان والوں کی روح کی تشنگی کو سیر کرنے کے لیے آبِ حیات کی مانند ہے۔

جہاں لوگوں نے دنیاداری کا لباس پہن کر اس کو دین کا نام دیا وہاں اللہ نے قبلہ شاہ جی حضور کو اپنی رحمت سے نوازا اور دنیائے اسلام میں آپ نے دینِ متین و قرآنِ مجید کی خدمت کو اپنا شعار بنا لیا۔

الغرض معاملاتِ دین و دنیا میں ہر لحاظ سے کامل مُصطفوی و مُرتضوی کردار کا عکس حضور مفکر اسلام مفسر قرآن شہزادہ ابوتُراب علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب زید مجدہ کی شخصیت ہمارے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت اللہ کا فضل اور نعمت عظمیٰ ہے۔

یقیناً ہر وہ شخص جس کے دل کو اللہ نے ایمان کے نور سے منور کیا ہے اس کی ولین ترجیح خالق کائنات کی رضا و خوشنودی حاصل کر کے اس کے قرب و وصال کی منزل کو پانے کی ہوتی ہے جو انسان کا اصل مقصدِ تخلیق اور بندگی کا ثبوت ہے اس کے لیے قرآن حکیم نے کلیہ سورۃ کہف کی آیت نمبر 28 میں دیا ہے:

وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ

(O My Servant) Stay tenaciously in the companionship of those who remember their Lord morning and evening, ardently seeking His pleasure, (keen on the glimpse of His sightt, and eagerly aspiring to glance at His radiant Countenance). Your (affectionate and caring) looks must not but focus them.

”(اے میرے بندے!) تو اپنے آپ کو ان لوگوں کی سنگت میں جمائے رکھا کر جو صبح و شام اپنے ربّ کو یاد کرتے ہیں اس کی رضا کے طلب گار رہتے ہیں (اس کی دید کے متمنی اور اس کا مکھڑا تکنے کے آرزومند ہیں) تیری (محبت اور توجہ کی) نگاہیں ان سے نہ ہٹیں“۔

آیت مبارکہ میں اللہ کریم نے ارشاد فرمایا اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جوڑ لیا جائے، سا اپنا تعلق ان لوگوں کے ساتھ رکھا جائے جو دنیا و مافیہا سے بے نیاز اللہ کریم کی ذات کے ساتھ منسلک ہوں۔

اپنے لیل و نہار کو ان کے ساتھ منسلک کیا جائے جن کے لیل و نہار اللہ کریم کے ساتھ منسلک ہیں۔

اپنی آنکھوں میں ان کی صورت کو بسایا جائے جن کی آنکھوں میں اللہ کے دیدار کی حسرت و تڑپ کا بسیرا ہے۔

حتیٰ کہ اپنی توجہات کا مرکز و محور انہیں بنایا جائے جن کی زندگی کا مقصد اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہے۔

اپنی توجہ کی نگاہیں ان پر مرکوز کرنے کا حکم دیا ہے جن کی توجہات کا مرکز و محور ذات خداوندی ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے یہی قرآنی نکتہ اپنے اِس خوبصورت شعر میں یوں بیان کیا ہے:

ہر کہ خواہی ہم نشینی با خدا
اُو نشیند صحبتے با اولیاء

”جو کوئی اللہ تعالیٰ کی قربت چاہتا ہے اُسے چاہیے کہ وہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کرے“۔

اسی ضمن میں ایک حدیث مبارکہ عرض کرتا ہوں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی عنهما قَالَ: قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ، اىُّ جُلَسَائِنَا خَيْر قَالَ: مَنْ ذَكَّرَكُمْ رُؤْيَتُهٗ وَزَادَ فِي عِلْمِكُمْ مَنْطِقُهُ وَ ذَكَّرَكُمْ بِالْاٰخِرَةِ عَمَلُهٗ رَوَاهُ أَبُو يَعْلَى وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَنَحْوَهٗ أَبُو نُعَيْم.

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمارے بہترین ہم نشین کون ہیں؟ فرمایا: وہ جس کا دیدار تمہیں اللہ تعالیٰ کی یاد دلائے اور جس کی گفتگو تمہارے علم میں اضافہ کرے اور جس کا عمل تمہیں آخرت کی یاد دلائے“۔

(اخرجہ ابو یعلی فی المسند، 4/326، الرقم: 2437)

الحمدللہ علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب کی شخصیت سے تعلق، آپ کی ذات اقدس سے نسبت اور آپ کی صحبت ہمارے لیے اللہ کا فضل اور رحمت ہونے کے ساتھ ساتھ حکم خدا و مصطفی کی تعمیل بھی ہے۔

جہاں لوگوں کی صحبتیں ایمان دشمن لوگوں کے ساتھ ہیں وہاں اللہ کریم کی یہ خاص عنایت و رحمت ہے کہ اس نے اپنے اور اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم میں بیان کیے گئے اوصاف کی حامل شخصیت قبلہ علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب زید مجدہ کے

سایۂ شفقت سے ہمیں نوازا ہے۔

ہم اس پر اللہ کریم کا لاکھوں بار شکر بجالائیں تو کم ہے جس نے ہمیں قبلہ شاہ جی حضور جیسی شخصیت سے نوازا اور ہمارا آپ کی ذات پاک سے تعلق استوار ہوا اور میں دعا گو ہوں یہ تعلق تا حیات یونہی استوار رہے کیونکہ حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول کے مطابق

مُرشد اور مُرید کا تعلق رُوح اور جسم کی طرح ہوتا ہے اگر مُرید بیعت ہو کر
مُرشد سے رابطہ ختم کردے تو وہ روح بیمار ہو جاتی ہے
روح کی تازگی مُرشد کا دیدار ہے
اگر مرشد کی تھوڑی سی بھی ناراضگی ہو تو مُرید کے دونوں جہان برباد
ہونے کا خطرہ ہوتا ہے اس لیے ہمیشہ اپنے مُرشد کو راضی رکھیں۔

(حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ)

ہم اللہ کریم کا اس فضل و رحمت اور نعمت عظمیٰ پر شکر بجالاتے ہوئے اپنے بخت پر ناز کرتے ہیں اور آج دن کے خوشی کا والہانہ اظہار کرتے ہیں اور اپنی محبت اور روح کی تڑپ کو شعری صورت میں مولانا جامی کے ان الفاظ کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

من از آن سوی تو آیم کہ بہ جز تو کس ندارم
تو از آن ز من گریزی کہ چو من ھزار داری

''میں اس وجہ سے آپ کی طرف آتا ہوں کہ آپ کے علاوہ کوئی اور (محبوب) نہیں رکھتا، آپ اس وجہ سے مجھ سے دور رہتے ہیں کہ میرے جیسے ہزاروں (عشاق) رکھتے ہیں''۔ (مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ)

اگر میں شاعر ہوتا تو آپ کی جناب میں دیوان لکھتا، اگر میں تصنیف وتالیف کے فن سے آشنا ہوتا تو کتابی صورت میں آپ کی جناب میں کچھ عرض کرتا لیکن اپنی کم علمی وکم عقلی کی وجہ سے ان ٹوٹے پھوٹے چند الفاظ پر اکتفا کی جسارت کرتے ہوئے جناب کی بارگاہ میں سالگرہ مبارکباد عرض کرتا ہوں اور جناب کی صحت وسلامتی کے لیے اللہ کریم کی بارگاہ میں ہر لحہ دستِ سوال دراز کرتا ہوں کہ اللہ کریم اپنے حبیب مکرم ﷺ کے نعلین پاک کے تصدق سے پنجتن پاک کے وسیلے سے اللہ کریم آپ کو صحت وسلامتی کے ساتھ عمرِ خضر عطا فرمائے اور جناب کا سایۂ شفقت ہمارے سروں پر یونہی سلامت رکھے۔آمین

بقیہ: تبصرہ و تزکرہ

محارم مصاہرت کا بیان

قرآن مجید کی اس آیت کا تیسرا حصہ سسرالی محارم سے تعلق رکھتا ہے۔ نکاح کی وجہ سے جو رشتے محارم میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں: اوّل وہ کہ نکاح کی وجہ سے بننے والے رشتے ہمیشہ کے لیے محارم میں شامل ہو جائیں جیسے زوجہ کی ماں ہے یا زوجہ کی بیٹی ہے لیکن یہ وہ زوجہ ہے جس سے صحبت ہو چکی ہو۔ دوسری صورت بیٹوں کی بیویوں کی ہے اور اس میں نیچے تک پوتوں اور نواسوں کی عورتیں بھی شامل ہیں۔

دوسری قسم ان کی ہے جن سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام نہ ہو مثلاً بیوی کی وجہ سے بیوی کی بہن کو نکاح میں لینا حرام ہوتا ہے لیکن طلاق یا وفات کی صورت میں بیوی مطلقہ کی بہن وغیرہ سے عدت کے بعد نکاح درست ہو جاتا ہے اور یہی حکم زوجہ کی پھوپھی اور خالہ کا ہے۔

بیانِ محارم میں چوتھی صورت

آیت میں چوتھی صورت یہ بیان ہوئی ہے کہ تم پر دو بہنوں کا جمع کرنا منع ہے یعنی ایک ہی وقت میں دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع نہیں کیا جا سکتا۔ آیت میں ''اِلَّا مَاقَدْ سَلَفَ'' کا مفہوم یہ ہے کہ زمانہ سابق میں اگر اس گندگی کا ارتکاب کیا جا چکا ہے تو ان کو اب کوئی سزا یا عذاب نہیں سنایا جا سکتا۔ جن مفسرین نے ان احکام کی حکمتیں بیان کی ہیں۔ صحیح لکھا ہے کہ دو بہنیں طبعی اور فطری نسبی رشتے کی وجہ سے ایک دوسرے سے بہت زیادہ پیار کرتی ہیں لیکن جب وہ ایک دوسرے کی رقیب بن جائیں گی تو ان کی اصلی محبت کا چشمہ میلا ہو کر دب جانے کا اندیشہ پیدا ہوگا جو نئی آنے والی نسل کی روحانی، عمرانی اور نفسیاتی تربیت کے لیے مضر ہوگا اور اسلام کے عمومی مزاج کے خلاف یہ سنگین اقدام اٹھانے کی اجازت ہرگز نہیں دی جا سکتی۔ آثار وشواہد کی بنا پر اسلام میں جیسے ایک ہی وقت میں دو بہنوں کو جمع نہیں کیا جا سکتا، ایسے ہی خالہ اور بھانجی، پھوپھی اور بھتیجی کو بھی جمع نہیں کیا جا سکتا ہے۔ فقہاء نے ایک ضابطہ رکھا کہ وہ دو عورتیں جن میں سے ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو ان کا آپس میں نکاح درست نہ ہوا، نہیں ایک نکاح میں بیک وقت جمع بھی نہیں کیا جا سکتا (53)۔

واللہ اعلم

7- جولائی بوقت سحر سوا چار بجے بروز بدھ چوتھا پارہ بفضلہ تعالیٰ ختم ہوا اور پانچواں پارہ شروع۔

اختتام پر اللہ کا شکر اور آغاز پر اختتام کی دعا۔

حوالہ جات

(40) تفسیر احمدی: ملاجیون
(41) نور القرآن: ابونصر
(42) نور القرآن: ابونصر
(43) الترغیب والترھیب: منذری
(44) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(45) تفسیر ابی السعود: ابوسعود
(46) الجامع لاحکام: قرطبی
(47) المفردات: راغب ایضاً لسان ایضاً تاج العروس
(48) روح البیان: اسماعیل حقی
(49) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(50) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی
(51) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی ایضاً الملیل ایضاً سیوطی ایضاً طبری ایضاً روح ایضاً ابن عاشور ایضاً وھبہ وغیرہ ایضاً شنقیطی
(52) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی، ایضاً صابونی، ایضاً النور البیان، ایضاً روح البیان، ایضاً ابن کثیر، ایضاً مظہری
(53) شرح ھدایہ مرغینانی باب النکاح بیان محرمات ایضاً فخر رازی، قرطبی، وھبہ وتفسیر نمونہ والکوثر ومظہری

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

پیر مختار احمد جمال

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت افغانستان کے معروف شہر غزنی میں 400ھ کو ہوئی۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نیک اور شرافت کے پیکر سادات خاندان کے چشم و چراغ تھے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ کا اسم شریف ”علی“ کنیت ”ابوالحسن“ اور لقب داتا گنج بخش ہے۔شہر غزنی کے محلہ جلاب میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ددھیال کا گھر تھا جبکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ننھیال کا گھر محلہ ہجویر میں تھا۔اور اسی نسبت سے آپ رحمۃ اللہ علیہ ہجویری اور جلابی کہلاتے تھے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے چار برس کی عمر میں اپنے والدِ محترم حضرت عثمان بن علی رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن پاک کی تعلیم حاصل کی۔آپ رحمۃ اللہ علیہ غیر معمولی ذہانت کے مالک تھے اور تھوڑے ہی عرصہ میں قرآن مجید پڑھنے کی سعادت حاصل کر لی تھی۔اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے عربی اور فارسی اور دیگر علوم کے حصول کیلئے سفر کی صعوبتیں نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیں اور شام، عراق، بغداد شریف، مدائن، فارس، کوہستان، آزربائیجان، طبرستان، خوزستان اور خراسان وغیرہ کے مشہور جید اور معتبر علماء فضلاء سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جن اساتذہ کرام سے اکتسابِ فیض کیا اُن کے اسمائے گرامی تاریخ میں یوں ملتے ہیں۔ابو الفضل محمد بن الحسن الختلی، شیخ ابو القاسم عبداللہ الکریم بن ہوازن القشیری، امام ابو العباس بن محمد اشقانی، شیخ ابو سعید ابو الخیر، خواجہ احمد مظفر بن احمد حمدان، ابو العباس احمد بن محمد قصاب، ابو جعفر بن محمد بن صباح صدلانی باب فرغانی، حضرت ابو عبداللہ بن علی الداغستانی، حضرت شیخ ابو القاسم بن علی بن عبداللہ گرگانی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔آخر الذکر شیخ ابو قاسم گرگانی کا شمار آپ رحمۃ اللہ علیہ کے استادوں میں سب سے پہلے نمبر ہوتا ہے۔جن سے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے درسی علوم حاصل کرتے ہوئے سب سے زیادہ استفادہ کیا۔آپ رحمۃ اللہ علیہ خود ”کشف الاسرار“ میں شیخ ابو القاسم گرگانی کو اپنا علمِ دین کا استاد لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”میرے علمِ دین کے استاد فرمایا کرتے تھے، فقر میں رضا جوئی مرشد سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہے، پس فقیر کو چاہیے کہ مرشد ہی کی حضوری رکھے یعنی تصور میں ہر وقت اپنے مرشد کو اپنے پاس ہی سمجھے۔آگے مرشد کی تعریف کے ضمن میں بتایا کہ اسے کس قسم کا ہونا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ مرشد خود بھی ڈوبا ہوا ہو، اور مرید کو بھی ساتھ لے ڈوبے۔“ اس حوالہ سے حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانۂ عالیہ سے فیض یافتہ ابو مختار حضرت خواجہ صوفی جمال الدین چشتی تونسوی رحمۃ اللہ علیہ (دیپال پور) اپنی مجالس میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ”بیعت ہونا کوئی بچوں کا کھیل نہیں، اس لیے خوب جانچ پڑتال کرتے ہوئے سرکارِ دو عالم کی شریعتِ مطہرہ کی مکمل پابندی کرنے والے شیخ کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہیے۔اور ساتھ رحمتِ عالم کا یہ فرمانِ مقدس سنایا کرتے تھے کہ ”(مفہوم) اگر ایک شخص جائے نماز پہ بیٹھا ہوا، ہوا میں بھی اُڑتا ہوا نظر آئے، مگر وہ شخص شریعتِ مطہرہ کا پابند نہ ہو، اور اس کا پاؤں جادہ شریعت سے باہر ہو، تو سمجھو کہ وہ جادوگر ہے، اُس پہ کچھ اعتبار نہیں“۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ جنیدیہ میں حضرت شیخ ابو الفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ شفقت پر بیعت فرمائی۔جو اپنے زمانے کے جلیل القدر، قرآن و حدیث کے اعلیٰ پائے کے عالم، زہد و تقویٰ، متقی و پرہیزگار اور کشف و کرامات میں اپنی مثال آپ بزرگ تھے۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف ”کشف المحجوب“ جس کے بارے میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے خاص منظورِ نظر، اور سلسلہ چشتیہ کے عظیم بزرگ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”جس کا کوئی مرشد نہ ہو اُسے اِس کتاب (کشف المحجوب) کے مطالعہ کی برکت سے مرشد مل جائے گا“۔میں رقم طراز ہیں کہ ”ایک مرتبہ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو وضو کرا رہا تھا، معاً میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ جب تمام امور تقدیر اور قسمت سے وابستہ ہوتے ہیں، تو پھر آزاد لوگوں کو پیروں اور فقیروں کا غلام کس لیے بنایا جاتا ہے۔کیا کرامات کی امید پر، میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کچھ کہنے نہیں پایا تھا کہ مرشد (حضرت شیخ ابو الفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے کشف سے جان لیا، فرمانے لگے بیٹا جو بات تیرے دل میں پیدا ہوئی ہے مجھے معلوم ہو گئی ہے۔جب اللہ تعالیٰ کسی کو تاج و تخت دینا چاہتا ہے تو اسے توبہ کی توفیق عطا فرما تا دیتا ہے اور وہ ایک مہربان دوست کی خدمت کرنے لگتا ہے۔اسی خدمت کے نتیجے میں اس کی کرامت کا اظہار ہوتا ہے“۔حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ ”ایک دفعہ میں اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ ابو الفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بیت الجن سے دمشق کا سفر کر رہا تھا، کہ راستے میں بارش ہو گئی، جس کی وجہ سے بہت زیادہ کیچڑ ہو گیا اور ہم بہت ہی مشکل سے چل رہے تھے کہ اچانک میری نظر پیر و مرشد پر پڑی، تو کیا دیکھتا ہوں کہ اُن کا زیبِ تن کیا ہوا لباس بھی بالکل خشک ہے اور پاؤں مبارک پر بھی کیچڑ کا کوئی نشان نظر نہ آیا۔مجھے بڑی حیرت ہوئی، دریافت کیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ، ہاں جب سے میں نے پروردگارِ عالم پر توکل کرتے ہوئے ہر قسم کے وہم و شبہ کو خود سے دور کر دیا ہے اور دل کو حرص و لالچ کی دیوانگی سے محفوظ کر لیا ہے، تب سے اللہ ربّ العزت کی ذاتِ مقدس نے میرے پاؤں کو کیچڑ سے محفوظ رکھا ہے“۔اسی طرح ایک اور مقام پر حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر و مرشد کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں کہ ”جب میرے پیر و مرشد حضرت شیخ ابو الفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا تو اُن کا سر مبارک میری گود میں تھا اور میں سخت مضطرب اور خاصا پریشان تھا۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے میری حالت کو دیکھا تو فرمانے لگے کہ میں تمہیں عقیدے کا ایک مسئلہ بتاتا ہوں۔اگر تم سمجھ گئے اور اُس پر عمل کیا تو ہر قسم کے دکھ اور رنج اور تکلیف سے بچ جاؤ گے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات کے ہر کام

میں حکمت اور مصلحت مضمر ہوتی ہے۔وہ حالات کو اُن کے نیک وبد کا لحاظ کر کے پیدا فرماتا ہے۔اس لیے بیٹا!اُس کے کسی فعل پر انگشت نمائی نہ کر اور نہ ہی دل میں اس پر معترض ہو۔اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہوگئے اور اپنی جان،اس کائنات کو سجانے اور بنانے والے حقیقی خالق و مالک کے سپرد کردی"۔حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ،دو بزرگ (جن کا شمار اپنے زمانے کے باکمال علماء واولیاء اللہ میں ہوتا تھا)ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی خصوصی فیض حاصل کیا۔آپ رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے۔اور اپنے میں دل اُن کے لیے بے حد محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ .....اپنی زندگی کا ایک خاص اور سبق آموز واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ"ایک مرتبہ میں عراق میں تھا۔مجھے دنیا کمانے اور خرچ کرنے میں بڑی دلیری اور جرات حاصل ہوگئی،حتیٰ کہ جس کسی کو کوئی بھی ضرورت پیش آتی تو وہ میرے پاس چلا آتا اور میں اسکی ضرورت پوری کردیتا کیوں کہ میں چاہتا تھا کہ کوئی بھی شخص میرے ہاں سے خالی ہاتھ واپس نہ جائے۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میری اپنی کمائی اس غرض سے کم پڑنے لگی اور دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کی غرض سے مجھے قرض لینا پڑتا،یوں میں چند ہی دنوں میں خاصا مقروض ہوگیا اور سخت پریشانی کا شکار ہوگیا۔اُس دور کے ایک بزرگ نے میرے احوال کو دیکھتے ہوئے مجھے نصیحت فرمائی کہ دیکھو!یہ تو ہوائے نفس ہے۔اس قسم کے کاموں میں پڑ کر کہیں خدا سے دور نہ ہو جانا۔جو ضرورت مند ہے اس کی احتیاج تو ضرور پوری کرو۔مگر پروردگارِ عالم کی ساری مخلوق کے کفیل بننے کی کوشش نہ کرو۔کیوں کہ انسانوں کی کفالت کا فریضہ خود ربِ قدوس نے انجام دینا ہے۔مجھے اُس بزرگ کی نصیحت سے اطمینانِ قلب حاصل ہوا"۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ازدواجی زندگی کے بارے میں تاریخ کے ورق صرف اتنا ہی بتاتے ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے تھے مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد بیوی سے علیحدگی ہوگئی۔اور پھر تاحیات دوسری شادی نہ کی۔بہ اختلاف روایت 432ھ میں مرشد کریم حضرت شیخ ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو حکم فرمایا کہ علی!تم لاہور روانہ ہو جاؤ وہاں تمہاری شدید ضرورت ہے۔سرزمینِ ہند تمہارا انتظار کر رہی ہے اور تمہارے فیض کا سلسلہ لاہور ہی جاری ہوگا۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک لمحے کے توقف کے بعد مؤدبانہ انداز سے عرض کیا کہ حضور!وہاں تو ہمارے پیر بھائی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مریدِ کامل حضرت میراں حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ موجود ہیں۔اُن کے ہوتے ہوئے میری وہاں کیا ضرورت ہوسکتی ہے؟شیخ ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ قدرے مسکرائے اور فرمایا کہ یہ تمہارے سوچنے کا کام نہیں بس تم فوراً روانہ ہو جاؤ اور دین اسلام کی ترویج واشاعت کا کام کرو۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیرومرشد کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے وطن غزنی کو خیر باد کہا اور دینِ اسلام کی تبلیغ کا بے مثل شوق لیے کئی مہینوں کے دشوار گزار کٹھن سفر کے بعد لاہور پہنچے۔شہر کے داخلی دروازے تک پہنچتے پہنچتے شام ہوگئی شہر کی حفاظت کے پیش نظر داخلی دروازے شام کو بند کردیے جاتے تھے۔اِس لیے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے دیگر ساتھیوں اور مسافروں کے ہمراہ،رات بیرونِ شہر ہی بسر کرنی پڑگئی۔جب صبح ہوئی تو شہر کی جانب روانہ ہوئے،ابھی چند ہی قدم چلے تھے کہ سامنے سے ایک بہت بڑا ہجوم آتا ہوا نظر آرہا تھا قریب آئے تو معلوم ہوا کہ یہ ایک جنازہ ہے۔غزنی سے نو وارد مسافروں نے دریافت کیا تو پتا چلا کہ یہ حضرت شیخ میراں حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ ہے۔یہ سن کر آپ رحمۃ اللہ علیہ دم بخود ہوگئے اور بے اختیار آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے نکلا کہ"اللہ شیخ کو جزائے خیر دے،وہ واقعی روشن ضمیر تھے"۔جب جنازے کے شرکاء نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عجیب فقرہ سنا تو استفسار کیا۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں پورا واقعہ سنا دیا۔جب لوگوں کو پتا چلا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی ہیں تو انہوں نے جنازہ پڑھانے کا اصرار کیا اور یوں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے جنازہ پڑھایا اور پھر تدفین کے عمل سے فارغ ہوکر شہر کی جانب روانہ ہوئے۔اور پھر لاہور میں مستقل سکونت اختیار فرمائی۔

یہاں مسلمانوں کو استحکام حاصل کیے کچھ ہی عرصہ ہوا تھا،ہر طرف ہندو مذہب کے پیروکار اور پیشواؤں کا دور دورہ تھا۔مگر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی،شریعتِ مطہرہ کی پابند،بے داغ اور دلکش سیرت اور شفقت و محبت سے بھرپور شخصیت لوگوں کو کفر وشرک کی دلدل سے نکال کر"صراطِ مستقیم"کی طرف گامزن کرنے کی باعث بنی۔فقط رضائے الٰہی کی خاطر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے خلوصِ دل سے دین کی ترویج واشاعت کا بیڑہ اُٹھایا،اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاداتِ عالیہ اور مواعظِ حسنہ کی اثر انگیزی سے لوگوں نے اسلام کی حقانیت کو سمجھتے ہوئے جوق درجوق دائرۂ اسلام داخل ہونے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔شاعرِ مشرق اور اپنے دور کے مردِ قلندر حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسی تناظر میں فرمایا تھا:

کہ نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

یہی وجہ ہے کہ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے حسنِ اخلاق اور مزاجِ کریمانہ اور نگاہِ فیض کے باعث جو خوش قسمت لوگ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے،وہ نہ صرف خود،تادمِ واپسیں،دامنِ مصطفیٰ تھامتے ہوئے "شجرِ اسلام" سے وابستہ اور اُس پہ قائم رہے،بلکہ اُن کی نسلیں بھی تقریباً ساڑھے نوسو سال گزرنے کے باوجود اسلام پر قائم ودائم ہیں۔ایسا کیوں نہ ہوتا.....کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسے مردِ کامل،صوفی باصفا،درویش اور بزرگ تھے،جن کے پاس نہ تو کوئی خزانہ تھا،نہ سپاہ.....نہ دنیاوی وسائل اور نہ ہی جاہ وحشمت!کہ جس سے لوگ مرغوب ہو کر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتے.....بس آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے"مصلہ" پر بیٹھے ہوئے ہمہ وقت اپنے حقیقی خالق و مالک کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔اور،ریاکاری سے پاک،اخلاص کے ساتھ کی جانے والی عبادت وریاضت کی وجہ سے ربِ قدوس کے انوار وتجلیات کے نزول کے باعث،اللہ ربّ العزت نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو وہ شان عطا فرمائی کہ لوگ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کھچے کھچے آتے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے نورانیت سے بھرپور چہرۂ انور کو دیکھ کر ایمان کی دولت سے مالامال ہوجاتے تھے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہِ فیض کا اظہار خواجگانِ چشت کی آنکھوں کی ٹھنڈک غریب نواز حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا۔

بقیہ: صفحہ نمبر 27 پر

فاطمہ
یورپ کا مقدس شہر

پروفیسر ڈاکٹر محمد اظہر نعیم

کیا آپ جانتے ہیں کہ یورپ کا ایک شہر ایسا بھی ہے جو ''فاطمہ'' کے نام سے منسوب ہے۔ یہ مبارک نام ایسا ہے کہ اس اسم گرامی کے سامنے ہر مسلمان کا سر عقیدت اور محبت سے جھک جاتا ہے اور میرے لیے اسی وجہ سے یہ شہر کشش کا باعث تھا۔ لہذا دورۂ پرتگال کے دوران ہر صورت میں وہاں جانا چاہتا تھا، حیران کن امر یہ ہے کہ عیسائیت کے حوالے سے اس شہر کو مقدس مقام کی حیثیت حاصل ہے اور دنیا بھر میں کیتھولک مسیحیوں کی اہم ترین زیارت گاہوں میں سے ایک مانا جاتا ہے۔ سال بھر میں لاکھوں زائرین اپنی منتوں مرادوں کی باریابی کے لیے دعائیں کرنے اور بیمار مسیحی شفا حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ اوورم میونسپلٹی کا یہ شہر پرتگال کے دارالحکومت لزبن سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پر موجود ہے۔

شہر میں سب سے پہلے یہاں کا عجائب گھر جس کو ویکس میوزیم کہا جاتا ہے اسے دیکھنے کا موقع ملا۔ یہاں تین بچوں کے مجسمے اور پھر اس دور کی تہذیب و ثقافت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ کھانے کا کمرہ، سونے کا اہتمام، عبادت کی جگہ، اسی طرح 1917ء میں گھر میں استعمال ہونے والی اشیا رکھی گئی تھیں۔ لوسیا نامی بچی کی فیملی کی تصاویر جس وقت برقع طرز کا پردے کا رواج بھی نمایاں تھا۔ سیاحوں کے لیے معلوماتی دفتر بھی بنایا گیا تھا جہاں پر مختلف زبانوں میں اس شہر کے متعلق معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ اس میوزیم سے دلچسپی یقیناً تاریخ سے گہری دلچسپی رکھنے والوں کو زیادہ ہوسکتی ہے۔

میوزیم کے باہر بے شمار چھوٹی بڑی دکانیں تھیں۔ زیادہ تر گفٹ شاپس جن میں جیولری اور دیگر تحفے تحائف زائرین کی توجہ کے منتظر نظر آرہے تھے۔ ان دکانوں پر زیادہ نمایاں حضرت مریم کے چھوٹے بڑے مجسمے، موتیوں کی مالائیں، دیواروں پر لگانے کے لیے سوینئرز اور درجنوں قسم کی موم بتیاں تھیں۔ دکانوں کے علاوہ ہوٹل اور ریسٹورنٹ بھی جگہ جگہ موجود تھے۔

اس سے قبل کہ ہم آگے بڑھیں آیئے جائزہ لیتے ہیں کہ اس شہر کا نام ''فاطمہ'' کیوں رکھا گیا اور عیسائیت کو اس سے کیا نسبت ہے۔ نام کے حوالے سے آپ کو بہت سی متضاد روایات ملیں گی۔ ملاحظہ فرمائیں:

1۔ کچھ لوگ مانتے ہیں کہ اس شہر کا نام جزیرہ نما آئبیریا میں مسلمانوں کے دور حکومت میں خاتون جنت حضرت بی بی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کے نام کی مناسبت سے رکھا گیا تھا۔

2۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مطابق اس شہر کا نام 12 صدی میں اندلس کے موریش مسلمانوں کی ایک شہزادی کے نام پر رکھا گیا تھا۔ موریش شمالی افریقہ سے تعلق رکھنے والے مسلمان حکمرانوں کو کہا جاتا ہے جو آٹھویں صدی سے پندرھویں صدی تک سپین اور اس کے اردگرد علاقوں پر حکمران تھے۔ ایک گائیڈ نے بھی ہمیں بتایا کہ اس شہر کا نام اسلام کے پرتگال میں اثرات کی وجہ سے رکھا گیا۔ اس کے بقول یہ سارے علاقے فاطمہ شہزادی کے تھے لیکن اس شہر کو عیسائیت کے حوالے سے مقبولیت 1917ء میں تین بچوں کی مریم علیہا السلام کی زیارت کی وجہ سے ملی۔

3۔ ویب سائٹ نوبیلٹی کے مطابق 1158ء میں بادشاہ کو شکست سے دوچار کرنے کے بعد اس کی بیٹی فاطمہ کو قیدی بنایا گیا اور پھر شہزادی کو مذہب تبدیل کرنے اور پرتگالی نائٹ سے شادی کرنے پر مجبور کیا گیا۔ پرتگال کے بادشاہ نے اس شادی کا تحفہ ایک شہر کی صورت میں دیا۔ وقت کے ساتھ شہر کا نام بھی ''فاطمہ'' ہوگیا۔

4۔ تیسری روایت میں کہا گیا ہے کہ 1492ء سقوط غرناطہ کے بعد جب الفانسو اول نے سالٹ پیلس پر قبضہ کیا تو اندلس کے جنگی قیدیوں میں فاطمہ نامی شہزادی بھی تھی۔ تبدیل مذہب کے بعد اس کی شادی اورم شہر کے گورنر سے ہوگئی۔ روایت کے مطابق خوبصورت شہزادی اپنے آداب و انداز کی وجہ سے لوگوں میں بہت مقبول ہوگئی۔ تو اس وجہ سے محل کے اردگرد علاقے کا نام شہزادی کے نام سے منسوب ہوگیا۔

5۔ برٹانیکا نے ایک تفصیلی کہانی تحریر کی ہے اس کہانی کے اردگرد ہی میوزیم، کلیسا اور دیگر سارے انتظامات کیے ہوئے ہیں۔ وہ تین چرواہے بچوں کی کہانی اور یہ کہانی کوئی زیادہ پرانی نہیں بلکہ 1917ء میں نو سالہ لوسیا ڈاس، آٹھ سالہ فرانسسکو اور چھ سالہ جیسنٹا مارٹو کے سامنے ایک نورانی شخصیت کا ظہور ہوا تھا۔ بعض روایات کے مطابق وہ بچے بیمار تھے لہذا ان کو ایسے شفا ملی۔ بعد میں بھی ان بچوں کے ساتھ اس بی بی نے کئی بار ملاقات کی۔ جس زیتون کے باغ میں یہ واقعہ رونما ہوا، وہیں پر کلیسا اور دیگر عبادت گاہیں بنائی گئی ہیں۔ بعد از مرگ ان بچوں کو مقدس قرار دے دیا گیا۔
(www.britannica.com/place/Fatima)

ڈاکٹر آر نقوی کی تحقیق کے مطابق اس نورانی خاتون نے اسی جگہ اپنے نام سے ایک مقدس مقام بنانے کا بھی حکم دیا۔ اس نورانی خاتون نے اپنا نام ''فاطمہ'' بتایا، یوں اس جگہ ایک وسیع و عریض عمارت و جگہ ''فاطمہ'' کے نام سے تعمیر کی گئی۔ ڈاکٹر نقوی نے مزید لکھا ہے۔ ''فاطمہ'' نام نہ تو پرتگالی زبان کا لفظ ہے اور نہ ہی کسی مغربی ملک کی زبان و تہذیب سے اس کا تعلق نظر آتا ہے۔ بلکہ یہ نام عربی زبان سے تعلق رکھتا ہے۔ (سحر اردو: 27 اپریل 2017)

لیکن عیسائی روایات کے مطابق یہ نورانی شخصیت حضرت مریم تھیں۔ جنہوں نے کچھ راز بھی بچوں کو بتائے جنہیں معجزات کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ کیتھولک چرچ بچوں پر ظاہر کیے گئے تین رازوں کو بڑی اہمیت دیتا ہے:

1۔ جہنم کا خوفناک نظارہ

2۔ پہلی عالمی جنگ کے خاتمے اور دوسری عالمی جنگ کے آغاز کی پیشگوئی، کیمونزم کا عروج وزوال

3۔ 13 مئی 1981ء کو پوپ جان پال دوم کو قتل کرنے کی کوشش کی پیشگوئی، اس پیشگوئی کو صیغہ راز میں رکھا گیا تاہم 20 مئی 2000ء میں اس کا اعلان کیا گیا۔ کہا گیا کہ ان رازوں کو ظاہر کرنے کا مقصد عیسائیت کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے میں مدد فراہم کرنا ہے۔

جہاں بچوں سے ملاقات ہوئی وہ زیتون کا ایک باغ تھا اور وہیں پر کلیسا اور عبادت گاہ بنائی گئی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ وہاں لوگ آباد ہونا شروع ہوئے۔ جو ایک قصبہ کی صورت اختیار کر گیا اور دنیا بھر کے کیتھولک زائرین کے لیے یہ ایک مقدس مقام ٹھہرا، یہاں ملنے والے تعارفی کتابچے میں کہا گیا ہے کہ اس بی بی نے ایک کلیسا یعنی عیسائی عبادت گاہ بنانے کا حکم دیا۔ ان بچوں کی بعد کی زندگی کی تفصیلی کہانی موجود ہے مگر مختصر یہ کہ کچھ عرصے بعد عیسائی مذہبی پیشواؤں کے سبب تینوں بچوں میں سے ایک بچی لوسیا ایک مذہبی خاتون بن گئیں اور راہبہ کہلانے لگی، یہاں تک کہ اس نورانی خاتون نے لوسیا سے متعدد بار ملاقات کی۔

اس نورانی خاتون اور لوسیا کے درمیان ہونے والی تمام گفتگو کو راز میں رکھا گیا جو اب تک کم وبیش راز ہی ہے یہاں تک کہ اس راز کو ''سیکریٹ آف فاطمہ (Secret of Fatima) یعنی فاطمہ کے راز'' سے تعبیر کیا جانے لگا، یہ واقعہ 13 مئی کو پیش آیا۔ معلومات کے مطابق تمام ملاقاتیں عام طور پر مہینوں کی 13 تاریخ کو بتائی جاتیں ہیں، یہاں تک کہ ماہ کی 13 تاریخ اور خاص کر مئی کی تیرہ تاریخ ایک خاص اہمیت اختیار کر گئی کہ اس تاریخ کو دنیا بھر سے عقیدت مند لاکھوں کی تعداد میں اس مقام پر جمع ہوجاتے ہیں۔ 1919ء میں اس جگہ ایک عظیم عبادتگاہ بنانے کا فیصلہ کیا گیا جس کی تکمیل میں تین سال لگے اور اس عمارت کی تکمیل کے بعد یعنی 1921ء میں یہاں ایک بہت بڑا جشن منعقد کیا گیا۔ 1927ء میں مقامی بشپ نے جشن میں شرکت کی اور اس مقام کو (Lady Fatima) کے نام سے تعبیر کیا، یوں پورے شہر کا نام ''فاطمہ'' ہوگیا۔

یہاں پر ایک نمایاں رجحان ہمیں نظر آیا کہ بہت سی دکانوں، بازاروں اور عمارتوں کے نام ''فاطمہ'' کے نام پر رکھے گئے ہیں۔ اور تو اور ایک دروازے کے باہر پڑے قالین پر بھی آئی لو فاطمہ لکھا ہوا دیکھا گیا۔ اب ہم زیتون کے باغ کی طرف جا رہے تھے۔ ہمارے دائیں بائیں سٹالز لگے ہوئے تھے۔ جیسے ہمارے میلوں ٹھیلوں پر سٹال لگے ہوتے ہیں۔ ان سٹالز پر چھوٹے بڑے تحائف رکھے گئے تھے آگے بڑھے تو ہمارے سامنے ایک وسیع میدان تھا جو کبھی زیتون کا باغ تھا اس میدان کے درمیان میں ایک تین چار فٹ چوڑا پختہ پاتھ بنا ہوا تھا۔ جس پر متعدد خواتین وحضرات گھٹنوں کے بل چل رہے تھے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ وہ بالکل آہستہ آہستہ رینگ رہے تھے۔ یہ لوگ مذہبی عقیدے اور غالباً اپنی دعاؤں کو پُر اثر بنانے اور بیماریوں سے شفا یابی کے لیے اسی انداز میں پورے میدان کو عبور کر کے ایک عمارت کے اندر داخل ہوتے اور عمارت میں موجود چبوترے کے اردگرد اسی انداز میں چکر لگا کر اگلے مرحلے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ یہ چبوترہ شائد کوئی قبر تھی۔ اس کے بعد شمع روشن کرنے کا مرحلہ تھا۔ گھٹنوں کے بل چلنے والے افراد کے علاوہ بہت سے زائرین میدان میں قطاروں میں کھڑے ہاتھوں میں موم بتیاں لیے اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ پہلی بار ہم نے اتنی بڑی بڑی موم بتیاں دیکھیں۔ جو قد آدم سے بڑی تھیں۔ عبادت گاہ کے ایک طرف ایک حصہ موم بتیاں روشن کرنے کے لیے مختص تھا۔ لوگ موٹی موٹی اور لمبی لمبی موم بتیاں جلا کر اپنی عقیدت کا اظہار کر رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ڈیجیٹل موم بتیاں ایک یورو کا سکہ ڈالنے سے جلانے کا اہتمام تھا۔ یہیں پر ایک اور منظر بھی تھا کہ لوگ اپنے جسم کی شفا کے لیے وہاں موم کے مجسمے بھی رکھتے تھے اور کچھ لوگ صرف مجسموں کے وہ اعضاء رکھتے تھے جہاں ان کو تکلیف تھی۔ تا کہ ان کی وہ تکلیف رفع ہوسکے۔

شہر ''فاطمہ'' سے کچھ پندرہ بیس کلومیٹر پر واقع پندرہویں صدی عیسوی کا اوروم قلعہ ہے جو پرتگال کے قومی ورثے کا حصہ ہے، اس کے بارے میں بتایا گیا کہ اس کے کھنڈرات اس دور کی شان وشوکت کی کہانی کہتے ہیں، یہاں سے اوورم شہر کا نظارہ کیا جاسکتا ہے، اردگرد پائن کے جنگلات ہیں لیکن ہم اوورم کے اس قلعہ کی خوبصورتی سے لطف اندوز نہ ہوسکے کیونکہ ہمیں جلدی واپس فنڈاو پہنچنا تھا اور ہمارے ساتھی کھانا کھانے کے لیے بھی بے چین تھے۔ لہٰذا حلال کھانے کے لیے ریسٹورنٹ بھی تلاش کرنا تھا۔ خاصی ''جد جہد'' کے بعد آخر ایک ''خان بابا'' ہوٹل مل گیا۔

بقیہ: حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

جب ایک بار خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے اور حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس پر حاضری دی اور ایک حجرہ میں چالیس دن کا چلہ کاٹا اور عبادت وریاضت میں مصروف رہے، اِس دوران حضور داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو فیوض برکات کی بارش آپ رحمۃ اللہ علیہ پر کی، اس کا اندازہ خواجہ غریب نواز ہی لگا سکتے ہیں۔ جب خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ چلہ سے فارغ ہو کر رخصت ہونے لگے تو بے ساختہ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک پر داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے لیے بطورِ خاص یہ شعر جاری ہوا کہ

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

اس مردِ خدا کی زبان مبارک سے نکلا ہوا یہ شعر اس قدر زبان زد خاص وعام ہوا کہ جس کی گونج چہار سو پھیل گئی۔ اور لوگ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ سے فیض پانے لگے۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ.....نماز کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ ''نماز ایسی عبادت ہے جو شروع سے آخر تک اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کے چاہنے والوں کی رہنمائی کرتی ہے۔ وہ ہمیشہ اسی میں مشغول رہتے ہیں اُن کے مقامات اسی سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے چاہنے والوں کی طہارت توبہ ہے۔ قبلہ کی طرف منہ کرنا' ان کا پیر طریقت سے تعلق ہے۔ قیام' ان کا مجاہدہ ہے۔ قرآت' ان کا دائمی ذکر ہے۔ رکوع' ان کی عاجزی ہے۔ سجود' ان کے نفس کی پہچان ہے۔ تشہد' ان کی اللہ تبارک وتعالیٰ سے دوستی ہے۔ سلام' ان کی دنیا سے علیحدگی اور مقامات کی قید سے باہر نکلنے کا نام ہے۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ علم ومعرفت کے ہزاروں دیے جلا کر آخر کار 19 صفر 465ھ، 1087ء کو وصال فرما گئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا سالانہ عرسِ مقدس 19 صفر کو انتہائی عقیدت واحترام اور شایانِ شان طریقے سے منایا جاتا ہے جس میں نہ صرف پاکستان بھر سے بلکہ بیرون ممالک سے بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں کی کثیر تعداد شرکت کرنے کا شرف حاصل کرتی ہے اور فیض پاتی ہے۔

وادیٔ کشمیر کے نقوی سادات

سیرتِ اقوام کے صورت گر

''قریۂ جان'' ایک اداس گاؤں کی طرح راز و نیاز کی کئی رمزیں سنبھال کر رکھتا ہے ۔ یہ رمزیں یا سیدھے سادے دیہاتی لوگ جانتے ہیں یا پھر شاعروں اوسخن وروں کی باتوں میں مل جاتی ہیں ۔ چند دن پہلے بیاضِ دل ٹٹول رہا تھا کہ اپنے نام فارسی زبان میں ایک منظوم خط ملا، کچھ حروف اپنی طبعی زندگی گزار کر فوت ہوگئے اور کچھ نے شرمیلا ہونے کی وجہ سے منہ پر نقاب ڈال رکھا تھا اور کچھ آزردہ تھے کہ میں نے ان کی قدر نہیں کی ۔حروف کی پیوندکاری سے میں نے مفہوم پکڑ لیا کہ مقبوضہ کشمیر کے ایک جلیل القدر عالم دین، محقق، صوفی اور شاعر علامہ سید اکبر حسین شاہ نقوی بخاری ارشاد فرمارہے تھے میرا داماد سید حمید اللہ شاہ نقوی آپ کے پاس آرہا ہے۔اپنے دو بچے تعلیم اور اس سے زیادہ تربیت کے لیے آپ کے پاس چھوڑنا چاہتا ہے۔یوں سید شبیر حسین شاہ نقوی اور سید طاہر حسین شاہ نقوی مجھے مل گئے ۔انہوں نے کم مجھ سے اور زیادہ مفتی اعظم پاکستان عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ اوران کے تلامذہ سے پڑھا لیکن سید حمید اللہ شاہ جی میرے لیے مستقل یادوں اور محبتوں کی قندیل بن گئے اور سید اکبر حسین شاہ نقوی بخاری میرے لیے فارسی شعرا کا ایک دبستان چھوڑ گئے۔

سید ارشد شاہ گیلانی برمنگھم انگلینڈ سے سید شبیر نقوی، سید محمد اسحاق شاہ نقوی کی یادوں کے ارمغاں بھیجتے رہتے ہیں لیکن سید شبیر کچھ ضرورت سے زیادہ مؤدب اور خودنہاں ثابت ہوا ہے، اس کا سراغ لگانا مشکل رہتا ہے لیکن کشمیر میں نقویوں کا یہ کنبہ اور قبیلہ میرا خزانہ ہے۔ یہ روایت، علم اور تاریخ سب کچھ جانتے ہیں۔محبتوں اور روحانی الفتوں کے مطاف کا ان کو تعارف ہے۔ پیر سید حمید اللہ شاہ کی رحلت کی مجھے خبر نہیں ملی اور مجھے چند دن پہلے پتہ چلا کہ پیر سید اکبر حسین شاہ نقوی بخاری علیہ الرحمہ کا مزار بھی گجر بانڈی آزاد کشمیر میں ہے۔

گجر بانڈی کا نقوی خاندان تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے۔ان کا خاموش کام امام علی نقوی کی اتباع میں ہے۔ یہ جسم و جاں میں امرت بن کر داخل ہوتے رہتے ہیں لیکن سادات کے ساتھ دوستوں کے رویے مایوسیوں کی دلگداز داستان ہے ایسے جیسے

ظلمتِ شب ہے گریزاں پرتوِ خورشید سے

اللہ تعالیٰ اکابرِ اُمت کے درجوں میں اضافہ فرمائے جو''تعمیر و تشکیل'' کے لیے زندگی کا بنیادی جزو بن کر جیتے رہے۔

سادات کا یہی اسلوب حیات ہے۔ربّ راکھا۔۔۔!!!

سید ریاض حسین شاہ

حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ منیر احمد یوسفی

تاریخِ اُمّتِ محمد ﷺ اس بات کی شاہد ہے کہ ہر صدی میں اَیسے برگزیدہ بندے پیدا ہوتے رہے ہیں اور دینِ مصطفیٰ ﷺ کی تجدید کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی (وصال 1076ھ) اِس حدیث پاک کی تشریح میں فرماتے ہیں، رسول اللہ کا اِرشادِ عظیم ہے کہ ’’میری یہ اُمّت کبھی گمراہی پر متفق نہیں ہوگی‘‘ اور آپ کا یہ اِرشادِ عظیم کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اِس اُمّت کے لیے ہر صدی کے سرے پر اَیسے بندے پیدا فرماتا رہے گا جو اِس اُمّت کے دین کو تازہ کرتے رہیں گے۔

محبوبِ صمدانی حضرت شیخ احمد سرہندی فاروقی کی ولادتِ باسعادت سرہند شریف پٹیالہ مشرقی پنجاب میں 14 شوال المکرم 971ھ کو ہوئی۔ حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد نے حضور نبی کریم ﷺ کی بشارت کے مطابق حضرت مجدّد الف ثانی کی کنیت ابوالبرکات، لقب شریف بدرالدین اور اِسم مبارک شیخ احمد مقرر کیا۔ آپ کو مجدّد الف ثانی اِس لیے کہتے ہیں کہ سرکارِ کائنات ﷺ کے وصالِ مبارک کے ایک ہزار سال پورے ہورہے تھے کہ حضرت شیخ احمد سرہندی کی ولادت ہوئی اور آپ نے دینِ اسلام کی تجدید و حفاظت اور احیائے شریعت کا جو عظیم کام برصغیر پاک و ہند میں سرانجام دیا، وہ اِسلام کی پوری تاریخ میں ایک خاص اِمتیازی شان رکھتا ہے۔ اِسی وجہ سے آپ کا لقب مجدّد الف ثانی اَیسا مشہور ہوگیا کہ بہت سے لوگ آپ کا نام ہی نہیں جانتے۔ صرف مجدّد الف ثانی کے نام سے پہچانتے ہیں اور آپ کو اِمام ربّانی بھی کہتے ہیں۔ مجدّد کا لفظ ایک حدیث پاک سے ماخوذ ہے جس کو اِمام ابوداؤد نے سنن ابوداؤد میں نقل کیا ہے۔ حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

’’اللہ اِس اُمّت کے لیے ہر سو سال کے سرے پر اَیسے بندے بھیجے گا جو اِس کے لیے اس کے دین کی تجدید کرتے رہیں گے‘‘۔ حضرت مجدّد الف ثانی کا سلسلۂ نسب 31 واسطوں سے فاروقِ اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ نسبتِ فاروقی پر اِظہارِ شکر کیا کرتے تھے۔ آپ نے حضرت خواجہ باقی باللہ (وصال 1012ھ) سے اِکتسابِ فیض کیا ہے۔ سرہند شریف میں کچھ عرصہ قیام فرمانے کے بعد آپ نے لاہور کا سفر کیا۔ لاہور اُس وقت دہلی کے بعد علوم وفنون کا سب سے بڑا علمی مرکز تھا۔ جب آپ لاہور تشریف لائے تو علمائے کرام اور مشائخِ عظام کی ایک کثیر تعداد نے آپ کا والہانہ اِستقبال کیا۔ حضرت مجدّد الف ثانی اَبھی لاہور ہی میں تھے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ کے اِنتقالِ پُرملال کی خبر ملی تو آپ فوری طور پر دہلی روانہ ہوگئے۔ ’’ابوالحسن ندوی بیان فرماتے ہیں: ’’حضرت مجدّد اَبھی لاہور ہی میں مقیم تھے کہ حضرت خواجہ کی رحلت کی خبر ملی۔ آپ نے اس اِضطرابی حالت میں دہلی کی طرف عنانِ سفر موڑ دی۔ راستہ میں سرہند پڑتا تھا لیکن گھر نہ گئے۔ پہلے اپنے شیخِ حقانی مرشدِ زماں رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ مرشد زادوں اور برادرانِ طریقت سے تعزیت کی اور اُن کے پاس چندروز دہلی میں قیام فرمایا اور تربیت وارشاد کی محفل جو حضرت خواجہ کے اِرتحال سے سونی ہوگئی تھی، دوبارہ آباد ہوگئی اور مغموم و مجروح دِل شگفتہ اور تازہ ہوگئے۔ حضرت مجدّد الف ثانی کچھ روز قیام دہلی کے بعد سرہند تشریف لائے اور سلسلۂ دعوت وتبلیغ شروع فرمایا۔

جلال الدین اکبر نے جب اعلانیہ دعوۂ اُلوہیت کیا اور فرعون کی طرح تختِ نخوت پر بیٹھ کر خلقت سے سجدہ کروانے لگا تو اَیسے میں حضرت مجدّد الف ثانی نے بادشاہ کے خلاف سخت ناراضگی کا اِظہار کیا۔ آپ نے خانِ خاناں، خانِ اعظم، سیّد حیدر جہاں اور مرتضیٰ خاں وغیرہ، جو حضرت مجدّد الف ثانی کے مرید اور اکبر بادشاہ کے مقربِ خاص تھے، ان کے ہاتھ بادشاہ کو نصیحت آمیز مکتوبات اور کلمات کہلا بھیجے۔ اِبتدائی کامیابی یہ حاصل ہوئی کہ لوگوں کو یہ اِختیار دیا گیا کہ وہ دینِ محمدی ﷺ میں رہیں یا اکبر کے اِختراع کردہ دینِ الٰہی میں آجائیں۔ جو ملازم لوگوں کو زبردستی بادشاہ کے پاس سجدہ کے لیے لایا کرتے تھے اُنہیں تاکیداً منع کیا گیا کہ آئندہ کسی کو زبردستی نہ لایا جائے‘‘۔ شانِ خدا وحدہٗ لاشریک کہ ایک دِن اکبر نے خود ساختہ دینِ الٰہی اور الہامی دینِ مصطفیٰ ﷺ کے مقابلہ کے لیے وقت مقرر کیا۔ جب یہ خبر حضرت مجدّد الف ثانی نے سُنی تو فرمایا کہ کشف یوں ظاہر ہوا ہے کہ اِس مقررہ دن میں بادشاہ پر غضبِ اِلٰہی بالضرور نازل ہوگا۔ جب وہ مقررہ دِن آیا تو بادشاہ نے اپنے محل کے بالاخانہ میں بیٹھ کر صحن کے نیچے وسیع میدان میں دربارِ عام منعقد کیا۔ اِس وسیع میدان میں دو بارگاہیں بنوائیں۔ ایک کو زرد دیبا سے آراستہ اور جواہر و یاقوت سے جڑاؤ کرایا گیا اور اُس کا نام بارگاہِ اکبری رکھا گیا اور دوسری پُرانی بارگاہ جس میں پرانا ہونے کی وجہ سے قائم رہنے کی بھی سکت نہ تھی اور اُسے جگہ جگہ سے کیڑے نے کھا کر چھلنی بنا رکھا تھا۔ اُس کا نام بارگاہِ محمدی ﷺ رکھا گیا۔ بارگاہِ اکبری میں قسم قسم کے لطیف نفیس اور پُرتکلف کھانے اور میوے سجائے گئے اور بارگاہِ محمدی ﷺ میں بالکل نامرغوب طبع بے مزہ اشیاء رکھی گئیں۔ لوگوں کو

عام دعوت دی گئی کہ جو شخص چاہے بارگاہِ اکبری میں داخل ہو اور جو چاہے بارگاہِ محمدی ﷺ میں آئے۔ بادشاہ کے بڑے بڑے عہدہ دار اور امیر و وزیر سلطنت کے تنخواہ دار تو بارگاہِ اکبری میں داخل ہوئے اور حضرت مجدّد الف ثانی اپنے تمام مریدوں بشمول خانِ خاناں، مرتضیٰ خاں، سیّد حیدر جہاں اور خانِ اعظم وغیرہ اور بہت سے غریب لوگوں کے ساتھ جو اسلام کے شیدائی تھے حضور سیّد الاوّلین والآخرین ﷺ کی بارگاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت مجدّد الف ثانی نے ایک شخص کو بھیجا کہ بارگاہِ محمدی ﷺ کے اردگرد ایک لکیر کھینچ آئے۔ اُس شخص نے ایسا ہی کیا اور مٹھی بھر خاک جو حضرت مجدّد الف ثانی نے اُسے دی تھی بادشاہ کی طرف پھینکی۔ اس کے پھینکتے ہی شمال کی طرف سے ایک آندھی اُٹھی جس نے اکبری بارگاہ کو تہہ و بالا کر دیا۔ سارے خیمے اور سائبان اہلِ بارگاہ کے سروں پر آن پڑے حتیٰ کہ وہاں ایک ہلاکت نما منظر تھا۔ جس بالاخانہ پر بادشاہ بیٹھا تھا اُس کے کواڑ بادشاہ کے سر پر لگے اور سات زخم آئے۔ اکبر زمین پر گر پڑا جس سے اُس کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ ایک بگولا بارگاہِ محمد ﷺ کے اردگرد پھرتا رہا۔ لیکن اندر کے آدمیوں کو کسی طرح کی کوئی تکلیف نہ دی۔ یہ لوگ دِل جمعی سے کھانا کھانے میں مشغول رہے۔

سات روز بعد اکبر بادشاہ اُن زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسا۔ (روضۃ القیومیہ ص 220 تا 227 مختصراً)

اکبر کے بعد جہانگیر تخت نشین ہوا۔ اکبر کے مقابلے میں اُس کو دین سے کوئی عناد نہیں تھا مگر یہ بھی لوگوں سے سجدہ کرواتا تھا۔ حضرت مجدّد الف ثانی نے ارکانِ سلطنت اور اُمرائے دربار کے نام خطوط لکھے تھے۔ یہ خطوط اِصلاحِ حال حمایتِ اسلام اور دین کی حمیّت کے سلسلہ میں تھے۔ جہانگیر کا وزیر بے تدبیر شیطان نظیر آصف جاہ مخالفانِ دین اور منافقان سے مل کر پوشیدہ ہی پوشیدہ حضرت مجدّد الف ثانی کے بارے میں صلاح و مشورہ کیا کرتا تھا۔ آصف جاہ کے بہکانے پر جہانگیر حضرت مجدّد الف ثانی کی طرف سے سخت بدظن ہو گیا اور حضرت مجدّد الف ثانی کو دربار میں بلایا۔ آپ دربار میں تشریف لائے مگر سجدہ نہ کیا۔ بادشاہ نے ناراض ہو کر کہا آپ نے مجھے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا میں نے سوائے خُدا کے نہ تو کسی کو سجدہ کیا ہے اور نہ ہی کروں گا۔ اِس پر بادشاہ نے آپ کو گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کرنے کا حکم دے دیا۔ نظر بندی کا یہ واقعہ ربیع الثانی 1028ھ میں پیش آیا۔ قید کے بعد آپ کی ساری جائیداد جن میں کتابیں بھی تھیں، ضبط کر لی گئیں۔ مگر آپ نے گوالیار کے قلعہ میں تبلیغ و ارشاد کا زبردست سلسلہ شروع کر دیا۔ آپ کی تبلیغ سے کئی ہزار قیدی مشرف بہ اِسلام ہوئے۔

جہانگیر ایک رات تخت پر بیٹھا تھا اور مجلسِ عیش و نشاط گرم تھی۔ اچانک حضرت مجدّد الف ثانی مجلس میں آئے اور بادشاہ کو مع تخت اُٹھا کر پٹخ دیا اور خود غائب ہو گئے۔ بادشاہ بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو بادشاہ سخت شرمندہ ہوا اور اُسی وقت ایک عرضی لکھی اور اپنی خطاؤں پر بہت معافی مانگی اور رہائی کا اعلان کیا مگر آپ نے جواباً سجدہ ختم کرنے سمیت چند شرائط لکھ بھیجیں کہ اگر یہ منظور ہیں تو میں آؤں گا، ورنہ جیل میں ہی خوش ہوں۔ بادشاہ نے اُن تمام شرائط کو منظور کر لیا اور جب تعظیم و تکریم کے لیے اُمراء کو بھیجا تو آنجناب بھی اَمرِ الٰہی کے مطابق قلعہ سے باہر آئے اور جو قیدی مدتوں سے اِس قلعہ میں پڑے برباد ہو رہے تھے اُنہیں بھی رہائی مل گئی۔

اِمام ربّانی مجدّد الف ثانی 28 صفر المظفر 1034ھ کو اس عالمِ فانی سے عالمِ بقاء کی طرف سفر کر گئے۔

بقیہ: حضرت بہاؤ الدین زکریا علیہ الرحمۃ ملتانی

تبلیغ و اشاعت

شیخ شہاب الدین سہروردی سے روحانی فیوضات حاصل کرنے اور خرقۂ خلافت پانے کے بعد آپ نے سہروردی سلسلے کو ملتان میں قائم فرمایا، جس سے لاکھوں افراد نے فیوض و برکات حاصل کیے۔ تمام دیار و امصار میں آپ کی تعلیمات پھیلیں۔ آپ نے روحانیت کے علوم کو بھی پھیلایا اور ظاہری علوم کو بھی آپ نے فروغ دیا۔ آپ نے ملتان میں علوم اسلامیہ کا ایک عظیم الشان دار العلوم بھی قائم کیا، جس میں اس وقت کے بڑے بڑے علماء کے علاوہ ماوراء النہر تک سے طلباء کو بلایا گیا۔ اس طرح رشد و ہدایت اور ترویج دین کا ایک عظیم سلسلہ یہاں قائم ہوا۔

تصنیف و تالیف

آپ نے کئی ایک کتابیں بھی تصنیف فرمائیں لیکن اوراد کے متعلق جو کتاب آپ نے تحریر کی، وہ اب بھی پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہے۔ آپ کی ایک اور مشہور کتاب ''بہائیہ'' ہے جو اگرچہ دستیاب نہیں ہوتی لیکن مختلف ادوار میں اہلِ علم نے اس کتاب سے استفادہ کیا۔ جس کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔

تعلیمات

حضرت غوث بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی تعلیمات میں خصوصیت کے ساتھ جو چیز پائی جاتی ہے جیسا کہ اخبار الاخیار میں حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی اور دیگر مورخین نے بھی لکھا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ جل مجدہ کی محبت کو ترقی دی جائے اور اپنے قلب کو اس کی محبت اور اس کی یاد سے حرارت پہنچائی جائے اور اللہ کا ذکر بکثرت کیا جائے۔ رسول کریم ﷺ کی اطاعت کو اپنا شعار بنایا جائے۔ غرباء و مساکین کے ساتھ رحم دلی سے پیش آیا جائے اور جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ مال و دولت عطا فرمائے، وہ خدا کی راہ میں خرچ کر دیا جائے۔

حق بحق رسید

آپ جس وقت دنیا سے تشریف لے جانے والے تھے تو آپ کے بڑے صاحبزادے کی خدمت میں کسی شخص نے ایک سربمہر خط پیش کیا اور کہا کہ آپ حضرت غوث بہاؤ الدین زکریا کو یہ خط دے دیجیے چنانچہ وہ خط بڑے صاحبزادے لے کر آئے اور آپ کو پیش کیا اور جس وقت وہ خط دے کر واپس لوٹے تو دیکھا کہ وہ قاصد موجود نہ تھا۔ آپ سخت متعجب ہوئے۔ اسی وقت آپ کے کان میں آواز آئی ''حق بحق رسید'' یعنی بہاؤ الحق حق تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔ اس آواز کو سن کر جب وہ اندر پہنچے تو دیکھا کہ حضور غوث بہاؤ الحق زکریا ملتانی کی روح مبارک قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔

آپ کے وصال کے بعد آپ کی اولاد خصوصاً آپ کے صاحبزادے حضرت صدر الدین عارف اور پوتے حضرت شاہ رکن عالم نوری حضوری نے آپ کے مشن کو آگے بڑھایا اور انہوں نے ولایت کے انوار و برکات کو سرزمین ملتان اور دور دراز کے علاقوں تک پھیلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ علم و شرف عطا کیا، جس سے تمام اہل علم واقف ہیں۔ آج تک آپ کے فیوض و برکات جاری ہیں اور سارے دیار و امصار خصوصاً سندھ سے لوگ بکثرت حاضر ہو کر آپ سے فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بزرگانِ دین کی تعلیمات پر عمل پیرا رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں ان کی فیوضات سے نوازے۔

حسد۔ ایک روحانی واخلاقی مرض

ملک محبوب الرسول قادری

معاشرتی بُرائیوں میں سے ہر ایک بُرائی کے خاتمے کے لیے جدوجہد کرنا ہی صحیح اسلامی معاشرے کی تشکیل میں ممدومعاون ثابت ہوسکتا ہے۔ جھوٹ، فراڈ، رشوت، سود، غیبت، نشہ، چوری ڈکیتیاں، بد امنی، جہالت، فرقہ واریت، ظلم وتشدد، والدین کی نافرمانی، خلق خدا کی حق تلفی، بہتان طرازی، عناد، قتل وغارت گری، شراب نوشی، حسد وبخل وغیرہ جیسی بے شمار اخلاقی امراض نے ہمارے معاشرتی وجود پر یلغار کررکھی ہے اور دوسری طرف ہم ہیں کہ پوری استقامت کے ساتھ ہاتھ پر ہاتھ دھرے اپنی روایتی سستی وکاہلی پر ڈٹے ہوئے ہیں جبکہ حقیقی مسلمان تو ان معاشرتی بُرائیوں کے خلاف علم جہاد بلند کرکے اپنی دنیا کو بھی جنت نظیر بناتا ہے اور آخرت کو بھی سنوارتا ہے۔

حسد ایک ایسا مہلک اخلاقی مرض ہے جو اس وقت ہمارے معاشرے میں اپنی جڑیں مضبوط کررہا ہے حالانکہ حسد کرنے والا، اپنی ہی آگ میں جل کر خاکستر ہوجاتا ہے اور کوئی فائدہ حاصل نہیں کرسکتا۔ قرآن مجید میں رب کریم نے اپنے پیارے محبوب پاک ﷺ کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا:

''تم فرماؤ! اس کی پناہ لیتا ہوں، جو صبح کا پیدا کرنے والا ہے، اس کی سب مخلوق کے شر سے اور اندھیری ڈالنے والے کے شر، سے جب وہ ڈوبے اور ان عورتوں کے شر سے جو گرہوں میں پھونکتی ہیں اور حسد والے کے شر سے، جب وہ مجھ سے جلے''۔

(الفلق: 1 تا 5)

آخری اور پانچویں آیت کی شرح میں صاحب تفسیر خزائن العرفان صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

''۔۔۔حسد والا وہ ہے جو دوسروں کے زوال نعمت کی تمنا کرے۔ یہاں حاسد سے یہود مراد ہیں جو نبی کریم ﷺ سے حسد کرتے تھے یا خاص لبید بن اعصم یہودی۔ حسد بدترین صفت ہے اور یہی سب سے پہلا گناہ ہے جو آسمان میں ابلیس سے سرزد ہوا اور زمین میں قابیل سے۔۔۔''۔ تفسیر ''ضیاء القرآن'' میں سورۃ الفلق کی آخری آیت کی تشریح میں حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ لسان العرب میں ابن منظور لکھتے ہیں کسی کی خوشحالی اور عزت کو دیکھ کر جلنا اور آرزو کرنا کہ کاش! یہ دولت اس کے بجائے مجھے ملتی۔۔۔ اس عزت وفضیلت سے تو اس کے میں بہرہ ور ہوتا۔۔۔ اور اگر یہ چیزیں میرے نصیب میں نہ تھیں تو کم از کم اس سے تو چھین لی جاتیں اور اس کو بھی محروم کردیا جاتا۔۔۔

یہ جذبہ انسان کی کمینگی اور خستِ طبع پر دلالت کرتا ہے لیکن یہ بات صرف یہاں تک محدود نہیں رہتی۔۔۔ بسا اوقات یہ بڑے بڑے جوروستم کا سبب بن جاتی ہے، جو انسان حسد کی آگ میں جل رہا ہوتا ہے وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا نہیں رہتا بلکہ ایسی تدبیریں سوچتا رہتا ہے، ایسی سازشیں کرتا ہے، اس قسم کے گٹھ جوڑ کرتا ہے جس سے وہ اپنی ناپاک آرزو کو پورا کرسکے۔ اس سے ایسی مذموم حرکتیں سرزد ہوتی ہیں جو شرف انسانی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں۔ قابیل نے ہابیل کو حسد کی وجہ سے ہی قتل کیا۔ ابوجہل اور دیگر اکابر قریش یہ جانتے ہوئے بھی کہ حضور ﷺ سچے نبی ہیں محض حسد کی وجہ سے اسلام کو قبول نہیں کرتے تھے۔ جس انسان پر اللہ تعالیٰ کا کوئی خصوصی کرم ہوتا ہے اس کے بدخواہ اکثر پیدا ہوجاتے ہیں۔ وہ ان کی عزت کرتا ہے۔ ان کی دلجوئی کرتا ہے جہاں تک بن پڑے ان کی خدمت سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اس کے باوجود حاسدوں کے سینوں میں حسد کی آگ بھڑکتی رہتی ہے۔ وہ بلاوجہ جلتے رہتے ہیں۔ انسان نہ تو خود حاسد کو پہچان سکتا ہے اور نہ حاسدوں کے منصوبوں سے آگاہ ہوسکتا ہے اور اگر آگاہ ہو بھی جائے تو بسا اوقات ان کا تدارک کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اس لیے حکم دیا جارہا ہے کہ تم اپنے رب کریم کے دامن عاطفت میں پناہ لے لو۔ بے شک ان حاسدوں کی شر انگیزیوں سے وہی بچ سکتا ہے جسے اس کی پناہ حاصل ہوجائے۔ (ضیاء القرآن)۔ حسد ایک ایسی آگ ہے جس کی تپش سے حاسد اندر ہی اندر جل کر راکھ ہوجاتا ہے۔ حاسد سے معاشرے میں نفرت پیدا ہوجاتی ہے۔ لوگ ایسے شخص کو ملنے سے کتراتے بلکہ گھبراتے ہیں اور ایسا شخص معاشرے میں تن تنہا ہوکر رہ جاتا ہے۔

حضور سید عالم وعالمیان ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد گرامی میں عظیم نصیحت فرمائی۔ گویا حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''۔۔۔لوگو! آپس میں کینہ نہ رکھو، حسد نہ کرو، اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔۔۔ اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ اور کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ بولنا چھوڑ دے۔۔۔''۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''حسد سے بچو۔ اس لیے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے لکڑی کو آگ کھا جاتی ہے''۔ (ابوداؤد)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے آقا ومولا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اگلی اُمتوں کی بیماری تمہاری طرف بھی آگئی وہ بیماری حسد وبغض ہے جو مونڈنے والی ہے، میرا مطلب یہ نہیں کہ وہ بال مونڈتی ہے بلکہ حسد وبغض والی بیماری تو وہ ہے وہ دین کو مونڈتی ہے''۔ (احمد وترمذی)۔

حسد وبخل سے رب کریم ہر مسلمان کو محفوظ ومامون رکھے۔ کیونکہ ویسے بھی یہ بے لذت گناہ ہے۔ حسد وبخل ہر قسم کی نیکیوں کے راستے میں خطرناک باڑ ہے اور بخیل کی اطاعت نیکیوں کے راستے سے روکتی ہے۔ پھر یہ کہ حاسد وبخیل کو دنیا وآخرت میں کہیں بھی سکون نہیں، وہ بے چارہ دنیا میں بھی طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کرتا ہے اور آخرت میں بھی جہنم ہی کا انگارہ بنے گا۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ

بخیل ار بود زاہدِ بحروبر
بہشتی نباشد بحکمِ خبر

بقیہ: صفحہ نمبر پر

حضرت قبلۂ عالم
سیدنا پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

نزاکت حسین گولڑوی

امام المسلمین، معمور من الرسول حضرت قبلہ عالم سیدنا پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ یکم رمضان المبارک 1859ء بمطابق 1275 ہجری بروز سوموار قصبہ گولڑہ شریف کی مردم خیز دھرتی پر پیدا ہوئے۔ یہ وہ دور تھا جسے غدر دہلی کا نام دیا جاتا ہے یہ خونی دور مسلمانوں کے دامن میں آہ و بکا کے سوا کچھ نہ تھا انگریز کا استبداد، ظلم اپنے عروج پر تھا مغلیہ دور دم توڑ چکا تھا۔ دین اسلام کے رشد و ہدایت وعلم کے چراغ زمانے کے ہاتھوں گل ہو چکے تھے مسلمان قید و ترک وطن کی صعوبتوں میں ایام حیات گزار رہے تھے۔ اللہ تعالی جب اپنے بندوں پر مہربان ہو جاتا ہے تب تکلیف کے بعد آسانیاں پیدا فرما دیتا ہے۔ کچھ ہستیوں کو اپنی دلیل، رشد و ہدایت اور تجدید دین کے پیکر بنا کر تجدید دین واحیاء دین کے لیے پیدا فرما دیتا ہے۔ جو آگے چل کر اسلامی اقدار کو یکسر مٹنے نہیں دیتیں جن کی خدمات سے صالحین کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، معاشرے میں روحانیت کے نور سے ظلمت کو دور کر دیتے ہیں۔ ایسی شخصیات مسلمانوں کے لیے منارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہیں۔

جس وقت مادہ پرست انگریز مغرب کی بے حیائی اور ناپاک عزائم مسلمانوں پر اپنے نظریات کے عفریت کو مسلط کرنا چاہتا تھا اور مغلوب کر چکا تھا اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کے خاندان سے ایسی ہستی کو پیدا فرمایا جو قیامت تک کے لیے مسلمانوں کے ایمان کے پاسبان بنے اور ختم نبوت اور تعظیم و توقیر رسولِ عربی ﷺ کا جھنڈا بلند کیا۔ رہتی دنیا تک کے تمام مذاہب کے لوگوں پر ایسی دھاک بٹھائی کہ قیامت تک کسی گستاخ کو گستاخی کرنے کی جرأت نہ ہوگی۔ یہ مردِ آہن جس کا نام پیر مہر علی شاہ ہے جس نے حق و باطل میں فرق کیا اور اپنے قلم کو بطور تلوار بنا کر میدان میں نکلیں تو باطل قوتیں بھیڑ بکریوں کی طرح آگے بھاگ نکلی جو آج تک واپس نہ آئیں۔ خطہ پوٹھوہار کتنا خوش نصیب ہے جس پر سید علماء عرب وعجم کا روضہ مبارک ہے، کوہ مارگلہ کے دامن میں سبز وادیاں قدرتی حسن اور امام المسلمین کا قصبہ گولڑہ شریف جس میں روضہ مبارک ہے۔ یہ سارا نقشہ مدینہ منورہ کا ہے۔ مدینہ منورہ کے قریب کوہ جبل احد کے قرب میں رحمۃ العالمین کا گنبد خضراء اور دنیا کی عظیم ترین مسجد نبوی ہے۔ مسلمانان پاکستان، ہندوستان کے لیے گولڑہ شریف کی زیارت سکون قلب کا باعث بنتی ہے اور مدینہ منورہ کی یاد تازہ کرتی ہے۔

اہل اسلام کی علمی روحانی شخصیات نے جسے اپنا قائد تسلیم کیا یہ سب جانتے ہیں کہ قادیانیت کے مقابلہ میں دشمن رسول ﷺ کے خلاف جہاد ایک مجددانہ کارنامہ ہے۔ آپ بسم اللہ کے ہم عدد تھے۔ ابجد کی رو سے سیدنا مہر علی شاہ کے اعداد 786 نکلتے ہیں اور آپ چودھویں صدی کے مجدد بھی تھے۔ آپ کے جد عالی حضرت پیر سید روشن دین شاہ 1760ء میں گولڑہ شریف تشریف لائے ان کی اولاد سے تیسری پشت میں حضور قبلۂ عالم کا ظہور ہوا۔ آپ نے پیر سید نظر دین شاہ المعروف اجی کے گھر میں آنکھ کھولی۔ یہ گھرانہ پہلے سے اللہ کی بارگاہ میں جھکنے والے اور عبادت گزار تھے۔ آپ کے والد گرامی قدر اہل قبائل کے عظیم رہبر و رہنما تھے اور بڑے پیر کے نام سے جانے جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انگریز اور سکھوں نے اس خاندان کو شروع سے ہی نشانہ بنایا لیکن قدرت کو منظور یہ تھا کہ اس گھرانے نے ہی انگریز اور سکھوں کو شکست دی اور ان کا خود کاشتہ پودا ختم کیا۔ آپ کے والد فرماتے ہیں جب میری صلب میں تھے تو ان کی وجہ سے مجھے بے شمار کامیابیاں ملیں۔ یہاں تک کہ جب سکھوں نے آگ میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بدولت مجھ پر آگ کو گلزار بنا دیا اور اس خاندان کو خاصی شہرت نصیب ہوئی۔ میں شب و روز عبادت الٰہی اور مطالعہ کتب میں مصروف رہتا جب رات کو نوافل پڑھ پڑھ کر تھک جاتا تو کنویں سے پانی نکال کر گولڑہ شریف کی مساجد کے سقاوے بھرتا مگر نیند قریب تک نہ آتی۔ جب یہ اپنی والدہ کے بطن عفت میں منتقل ہوا تو یہی کیفیت ان کی ہوگئی۔ ساری ساری رات جائے نماز پر بیٹھ کر اللہ اللہ کرتی۔

قبلۂ عالم کے ننھیال حسن ابدال کے گیلانی خاندان میں سے تھے جو حجرہ شاہ مقیم ضلع ساہیوال کے مشہور بزرگ حضرت بہاؤ الدین عرف بہاؤ الشیر گیلانی کی اولاد سے ہیں۔ حضرت بہاؤ الشیر سیدنا غوث اعظم کے شہزادے سید عبدالرزاق کی اولاد میں سے ہیں اور نویں صدی ہجری کے قریب بغداد شریف سے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت قبلۂ عالم والدین کی طرف سے نجیب الطرفین گیلانی سید ہیں۔ آپ طبیعت کے بلند اوصاف اور لطیف واردات کے مالک تھے۔ آپ کی طبیعت میں غریب نوازی اور مظلوموں کی حمایت بدرجۂ اتم موجود تھی۔ کسی جابر شخص کی زیادتی کی شکایت پہنچتی تو آپ فوراً اس کے خلاف کمزور کے حق میں صف آراء ہو جاتے۔ آخری عمر تک سخاوت شجاعت کے اوصاف آپ کی ذات گرامی میں موجود نمایاں رہے۔

بچپن میں عشق الٰہی کی سرگرمیاں ایسی تھیں کہ آبادی سے وحشت اور ویرانوں میں جی لگتا۔ رات کو گھر سے باہر نکل کر بیشتر حصہ سامنے والی پہاڑی نالوں اور کھڈوں اور جھاڑوں میں گزار دیتے۔ جب آپ تھوڑے سے بڑے ہوئے تو وحشت کے ساتھ طبیعت میں گرمی اور حدت اس قدر زیادہ ہوئی کہ سخت

سردی کے ایام میں یخ بستہ پانی سے غسل فرماتے۔ مطالعہ کرنے کے بعد حجرہ مبارک سے باہر نکل کر موسم سرما کی سرد ہواؤں کے جھونکوں سے ایسی تسکین پاتے جیسے گرمیوں میں تشنا کام کو آب خنک سے ہوتی ہے۔ آپ کو چار سال کی عمر میں قرآن پاک پڑھنے کے لیے خانقاہ کے درس میں داخل کیا گیا اور اردو فارسی کے امتحان کے لیے راولپنڈی کے مدرسہ میں آپ کو آپ کا خادم اپنے کندھوں پر اٹھا کر لے گیا، ممتحن انگریز تھا اس نے سب سے پہلے آپ سے ہی سوال کیا کہ باید کا مصدر کیا ہے۔ آپ نے صحیح جواب دیا تو ممتحن نے ساری جماعت کو یہ کہہ کر پاس کر دیا کہ جب اس قدر کمسن بچہ ایسا صحیح جواب دے رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ استاد کی تعلیم اچھی ہے اور پوری جماعت لائق ہے، حافظہ کا یہ عالم تھا کہ قرآن مجید کا روزانہ سبق زبانی یاد کر کے سنا دیا کرتے۔ جب قرآن پاک ختم کیا تو سارا قرآن بلا ارادہ حفظ ہو چکا تھا۔ عربی، فارسی اور صرف ونحو کی تعلیم کے لیے بڑے پیر صاحب نے علاقہ ہزارہ کے رہنے والے مولوی غلام محی الدین کو استاد مقرر فرمایا۔ جس نے حضرت کو قافیہ تک تعلیم دی۔ ایک روز استاد صاحب نے فرمایا صاحبزادہ صاحب مطالعہ کر کے آیا کرو۔ تو قبلۂ عالم فرماتے ہیں کہ اس وقت مطالعے کا مطلب سمجھا زبانی یاد کرنے کا اس لیے اگلے روز تمام سبق زبانی سنا دیا۔ استاد صاحب کی حیرانی کی انتہا نہ رہی کچھ عرصہ بعد مولانا غلام محی الدین نے بڑے پیر صاحب سے عرض کیا کہ صاحبزادہ کو قدرت نے ایسا رسا ذہن اور اعلیٰ دماغ عطا کیا ہے کہ ہر سبق زبانی سنا دیتے ہیں، بسا اوقات ایسے سوال کرتے تو جواب دینے میں اپنے آپ کو عاجز پاتا ہوں مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں تعلیم دینے کا حق ادا نہیں کر پا رہا۔ صاحبزادہ کو کسی بڑے فاضل استاد کے پاس ہونا چاہیے۔ حضرت قبلہ پیر مہر علی شاہ صاحب کو صاحبزادگی کے ماحول سے نکال کر دور افتادہ علاقہ میں تکمیل تعلیم کے لیے جانے کی اجازت دی۔ اس کے بعد آپ نے ہندوستان کے جید علماء اور روحانی شخصیات سے علوم وفنون حاصل کیے۔ جلیل القدر استاد العلماء مولانا لطف اللہ خان علی گڑی جیسے جلیل القدر شخصیت سے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے درجہ کے طلباء کو بھی تعلیم دیا کرتے تھے۔ بسا اوقات طویل راتوں کو عشاء کے وضو کے ساتھ فجر کی نماز ادا کرتے۔

حضرت قبلہ عالم پیر مہر علی شاہ کے بارے علماء محققین کی یہ رائے ہے جو دین کی تجدید کرے گا وہ وقت کا مجدد ہوتا ہے۔ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر صدی کے سرے پر ایسا شخص مبعوث فرمائے گا جو اس کے دین کی تجدید کرے گا۔ علامہ عبدالحیٔ لکھنوی اپنے فتوے میں تحریر کرتے ہیں کہ حدیث میں راس مائۃ سنۃ سے مراد صدی کا آخری حصہ ہے۔ اس کی علامت یہ ہے وہ شخص علوم ظاہرہ و باطنہ کا عالم ہو۔ اس کی تقریر و تالیف و تصنیف سے لوگوں کو نفع کثیر پہنچے۔ سنت کو زندہ کرے اور بدعات کو ختم کرے اور ایک صدی کے اختتام اور دوسری صدی کے آغاز میں اس کے علم کی شہرت اور اس سے لوگوں کو فائدہ معروف ومشہور ہو، لہٰذا اگر کسی شخص نے صدی کے آخر کو نہیں پایا اور اس سے اس زمانے میں احیاء شریعت نہیں ہوا تو اس کا نام مجددین کی فہرست میں نہیں آئے گا۔ صدی کے سرے پر کی تشریح کے لیے حضرت قبلۂ عالم کے زمانہ کو امت مسلمہ کی ان دو عظیم اور معروف ترین شخصیات کے سن پیدائش وسن وصال کے ساتھ قارئین کی نظر کرتا ہوں جن کے مجدد ہونے کو عالم اسلام تسلیم کرتا ہے۔

حضرت غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ولادت 447ھ وصال 562 ہجری حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی ولادت 971 ہجری وصال 1034ھ، حضرت قبلہ عالم پیر مہر علی شاہ گولڑوی، ولادت 1275ھ وصال 1356ھ۔ صدی کے آغاز میں یعنی 1300ھ کے شروع میں آپ علوم ظاہرہ و باطنہ، شریعت اور طریقت اور روحانیت کے اس مقام پر فائز تھے جو اظہر من الشمس ہے۔ خواجہ مہر علی عالی جناب جامع علم و عمل شرع کتاب مولد او مخزن عشق است سن رحلت شمس فضل بلجاب (1275ھ-1356ھ) آنجناب کی ذات سے قادیانیت، نیچریت، چکڑالویت، اور تشدد کے آل انڈیا کانگرس کی ہندووانہ، کافرانہ سیاست کے خلاف اسلامیان ہند کی رہنمائی ہوئی جو تاریخ کا حصہ بن چکی ہے۔ خیر الناس من ینفع الناس آج بھی گولڑہ شریف کے صاحبزادگان یہ مقام رکھتے ہیں۔ قبلہ پیر مہر علی شاہ درجہ کے اعتبار سے نائب غوث الوریٰ قطب عالم تھے آج بھی اپنے مزار پُرانوار میں دنیا کو غوثیت کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔ خاندان مہر علی شاہ نے اپنے جد امجد کے مزار شریف کے مہمان خانوں کو اسی طرح آباد رکھا ہوا ہے جس طرح قبلہ بابو جی نے رکھا تھا۔ صاحبزادگان نے تعلیمات و تالیفات مہر علی شاہ کو سر مُو فرق نہ آنے دیا ہے آپ کی تمام تصانیف کو حرف بہ حرف محفوظ کیا اور اشاعت میں لوگوں کو نفع خیر الکثیر پہنچا رہے ہیں۔ حضرت کے نقش قدم پر خلق خدا کی خدمت کا کوہ بار گراں اپنے کندھوں پر اٹھایا ہوا ہے۔ یہ خاندان محتاج الی اللہ ہے محتاج الی الخلق نہیں ہے۔ قبلۂ عالم کا مزار پُر انوار مرجۂ خلائق ہے۔

بقیہ: حسد۔ ایک روحانی واخلاقی مرض

یعنی حاسد وبخیل خشکی وسمندر کے چپے چپے پر بھی عبادت کرلے تو پھر بھی وہ حدیث نبوی ﷺ کی رو سے پکا جہنمی ہی رہے گا، جنت میں داخل نہیں ہو پائے گا۔ العیاذ باللہ۔

سیدنا علی المرتضیٰ امیر المومنین حیدر کرار رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''حسد کا فنا ہو جانا، انسان کی صحت کا پیش خیمہ ہے، سختی اور سخت گیری جنون کی ایک قسم ہے، اگر اس کا مرتکب اپنے لیے پریشان ہوجائے تو خیر، ورنہ سمجھنا چاہیے کہ اس کو جنون ہوگیا ہے جس کا زائل ہونا بہت مشکل ہے''۔ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''۔۔۔ حاسد کی مثال اس شخص جیسی ہے جو اپنے دشمن کو مارنے کے لیے پتھر پھینکے اور وہ پتھر دشمن کو لگنے کے بجائے اس کی اپنی داہنی آنکھ پر لگے اور وہ آنکھ پھوٹ جائے۔ اس سے اس شخص کو مزید غصہ آئے اور وہ پھر زور سے پتھر مارے اور اسی طرح اپنی دوسری آنکھ کا کام تمام کر لے۔ پھر پتھر مار کر اپنا ہی سر پھوڑ لے۔ اسی طرح دشمن کی طرف پتھر پھینک پھینک کر خود ہی مجروح ہو اور دشمن صحیح سالم رہے اور وہ دیکھ دیکھ کر ہنسیں۔۔۔''۔

قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور اقوال بزگان دین میں جگہ جگہ حسد وبخل کی مذمت بیان ہوئی ہے لیکن نہ جانے کیوں ہمارا معاشرہ برابر حسد کے دلدل میں دھنستا اور پھنستا جا رہا ہے۔ آج بڑھتی ہوئی نفرتوں اور کدورتوں میں حسد ہی کا کردار سب سے زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مرض سے اس قوم کو نجات عطا فرمائے۔ حسد سے چھٹکارہ کے لیے قوم کو یہ تحفہ پیش کرنا چاہتا ہوں کہ وہ سورۃ الفلق کو وظیفہ بنالے۔ اس کی روح کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ اگر حسد سے نجات حاصل کر لیں تو مجھے کامل یقین ہے کہ یہ دھرتی حقیقی معنوں میں ''پاکستان'' بن جائے گی اور یہی نظام مصطفی ﷺ سے نور اُجالا ہوگا۔

سلطان محمد (فاتح قسطنطنیہ)

آصف بلال آصف

دنیا کی ان عظیم شخصیات جنہوں نے اس کائینات میں شاندار کارناموں کی بدولت تاریخ عالم پر نہایت گہرے اور لازوال اثرات مرتب کیے ہیں ان میں ایک خاص اور اہم شخصیت سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ کی ہے۔۔۔۔اپنی بہترین جنگی صلاحیتوں کی بروئے کارلاتے ہوئے اسلامی اور عالمی تاریخ کا رُخ بدل کر اس شخص نے جو محیر العقول کارنامہ سرانجام دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔۔۔۔اس نے ترکوں کی کمزور سلطنت کو جس طرح مضبوط بنیادوں پر قائم کیا۔۔۔اور شدید مشکلات اور مسیحی طاقتوں کی زبردست مزاحمت کے باوجود جس طرح اسلام کے قدم یورپ میں جمادیے۔۔۔۔انہیں تاریخ کا کوئی طالبعلم فراموش نہیں کرسکتا۔۔۔۔

ایسے نازک وقت میں جبکہ ایک طرف مغربی یورپ میں صلیبیوں کی متحدہ کوششوں کے نتیجے میں مسلمانوں کے قدم آگے بڑھنے سے رک چکے تھے اور دوسری طرف مشرقی یورپ میں بازنطینی سلطنت ایک دیوار کی طرح مسلمانوں کا رستہ روکے کھڑی تھی۔۔۔۔اسی مردِ مجاہد کی جرات تھی کہ اس نے ناقابل عبور مشکلات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے عظیم رومی سلطنت سے ٹکرلی اور اس کے دارالحکومت ''قسطنطنیہ'' کو فتح کرلیا۔۔۔۔قسطنطنیہ اس وقت مشرقی یورپ کا سب سے بڑا اور مستحکم شہر مانا جاتا تھا جس پر مسلمان گزشتہ 800 سالوں کی کوششوں کے باوجود قبضہ کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے تھے۔۔۔۔سلطان محمد فاتح نے اپنی اولوالعزم جدوجہد کی بدولت اس شہر کو فتح کرکے بازنطینی سلطنت کا اقتدار اور غرور خاک میں ملادیا۔۔۔۔

سلطان محمد فاتح کا عہد ترکوں کا سب سے طاقتور عہد شمار ہوتا ہے اسی عہد میں سلطنت کا نظم ونسق مستحکم بنیادوں پر قائم ہوا۔۔۔۔ دور جدید کی ضروریات سے عہدہ برآ ہونے کیلئے نئے قوانین تشکیل پائے۔۔۔۔۔

چونکہ سلطان محمد فاتح کو فنون جنگ کے علاوہ ادب اور شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی اسی لیے شاہی سرپرستی کی بدولت ان علوم وفنون کو خوب پھلنے پھولنے کا موقع ملا اور سلطنت عثمانیہ علم وادب اور فنون لطیفہ کا گہوارہ بن گئی۔

سلطان محمد فاتح ۔۔۔۔سلطنت عثمانیہ کا گوہر آبدار۔۔۔۔۔اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ ممتاز اور دنیا کی عظیم ترین شخصیت تھا۔۔

سلطان کی ولادت 26 رجب 833 ہجری بمطابق 20 اپریل 1429 کو ہوئی۔اس کے والد سلطان مراد ثانی نے اس کی تعلیم وتربیت کا خاص طور پر اہتمام کیا اور اس غرض کیلیے مملکت کے بڑے بڑے علماء اور فضلاء کو گراں قدر معاوضہ دے کر مقرر کیا گیا۔۔۔۔سلطان اپنے بچپن سے ہی قسطنطنیہ کو فتح کرنے کا خواب اپنے دل و دماغ میں اس طرح راسخ کرچکا تھا کہ جیسے یہی اس کی زندگی کا واحد مقصد ہے۔۔۔۔۔سلطان محمد فاتح کا باپ سلطان مراد ثانی آلِ عثمان کا جلیل القدر فرمانبردار تھا۔۔۔۔۔

مؤرخین کے مطابق اس کی والدہ مسیح مذہب سے تھی۔۔۔۔اس لیے اس میں مشرق ومغرب دونوں خطوں کی اعلیٰ صفات کا امتیاز پایا جاتا تھا۔

سلطان محمد فاتح کو اپنے والد سے بہادری، شجاعت، صبرو استقلال اور عزم وحوصلہ کی صفات ورثہ میں ملی تھیں۔

سیاسی امور کی تربیت، قیادت کا عملی ڈھنگ اور جنگی پالیسی کو تشکیل دینے کا تجربہ بھی اس کو اپنے والد ہی سے حاصل ہوا تھا۔۔۔۔

سلطان محمد فاتح۔۔۔۔گندمی رنگ۔۔۔میانہ قد۔۔۔گھٹیلے جسم کا مالک۔۔۔

صاحب بصیرت۔۔۔ارادے کا دھنی۔۔۔مصائب و تکالیف کو خاطر میں نہ لانے والا اعلیٰ درجہ کا شاہ سوار تھا۔۔۔۔

فنون حرب کا ماہر۔۔ترقی کا دلدادہ۔۔۔بیدار مغز۔۔۔جملہ امور سلطنت سے کماحقہ واقف اور سریع الفہم انسان تھا۔۔۔۔۔

سلطان مراد ثانی نے اپنے بیٹے سلطان محمد کی تعلیم وتربیت کا بہترین اہتمام کیا تھا۔۔۔۔

اسی لیے سلطان محمد کو مختلف علوم پر دسترس حاصل ہوچکی تھی۔۔۔۔۔بالخصوص جنگی نئی ایجادات میں اس کی خاص دلچسپی تھی۔۔۔۔۔

اس کے دور میں توپ خانہ نے بڑی ترقی کی تھی۔۔۔۔

اس کا ادبی مذاق بھی بہت اچھا تھا۔۔۔۔۔

مذہبی تہذیب وثقافت کے متعلق اس کا علم بہت وسیع تھا۔۔

اس کے علاوہ کئی زبانوں پر بھی اسے عبور حاصل تھا۔۔۔۔

اپنی مادری زبان ترکی کے علاوہ اسے عربی، فارسی، یونانی زبانوں سے گہری واقفیت تھی اور وہ ان میں اچھی طرح گفتگو کرسکتا تھا۔۔۔۔ مزید براں اطالوی زبان بھی سمجھ لیتا تھا۔۔۔۔

تاریخ سے اسے گہری دلچسپی تھی نامور انسانوں اور بہادر لوگوں کے سوانح حیات بڑے شوق سے پڑھتا تھا۔۔۔۔

اس کے محل میں ایک بہت بڑا کتب خانہ موجود تھا جہاں وہ باوجود بہت مصروف ہونے کے باقاعدہ وقت دیا کرتا تھا۔۔۔۔

اوصول حکومت کے متعلق علوم پر مشتمل کتب پڑھا اور سنا کرتا تھا۔۔۔۔

ادب سے اس کا خصوصی تعلق تھا۔۔۔۔

وہ مختلف شعراء کے اشعار نہ صرف یاد رکھتا تھا بلکہ اپنے جذبات کو اشعار کی صورت بخوبی ادا بھی کر سکتا تھا۔۔۔۔

تاہم جنگی علوم وفنون میں اسے جس قدر دلچسپی تھی اتنی کسی اور علم میں نہیں تھی اور اس کی کامیابی کا راز بھی یہی تھا۔۔۔۔

سلطان کو جب کبھی کسی نئی جنگی ایجاد کا علم ہوتا تو وہ فوراً اس کے متعلق مفصل معلومات حاصل کرنے اور اس سے پوری طرح استفادہ کرنے کی کوشش کرتا تھا۔۔۔۔

وہ ایسے ماحول کو پسند کرتا تھا جو انتہائی پرسکون ہو، علم وثقافت کے چشمے جہاں ہرسو بہہ رہے ہوں۔

یا جہاں تیغ آزمائی ہو رہی ہو، اور تلواروں کی جھنکاروں، گھوڑوں کی ٹاپوں اور محاربین کے پرجوش نعروں سے میدان جنگ گونج رہا ہو۔۔۔

سلطان محمد کے زمانے میں ایشاء اور یورپ میں مذہبی تعصب انتہا کو پہنچ گیا تھا۔۔۔۔عیسائیوں اور مسلمانوں میں ایک لمبے عرصے سے جنگ جاری تھی۔۔۔۔طویل عرصے کی جنگی آویزش کے باعث کوئی فریق دوسرے پر رحم کرنے اور اس سے کسی قسم کی رعائیت برتنے کیلیے تیار نہ تھا۔۔۔۔

سلطان محمد کے دل و دماغ میں قسطنطنیہ کو فتح کرنے کا خیال بچپن میں ہی موجود تھا جو آہستہ آہستہ اس کا ارادہ اور پھر جینے کا مقصد بن گیا تھا۔

اس زمانے کے مشہور مذہبی رہنما شیخ آقا شمس الدین کی تعلیمات سے بھی سلطان محمد بہت زیادہ متاثر تھا۔۔۔۔اور چونکہ اللہ کے حبیب آقا دو جہاں حضرت محمد مصطفی ﷺ کی حدیث کے مطابق وہ لشکر جو قسطنطنیہ کو فتح کرے گا اسے جنت کی نوید کی بشارت دی گئی تھی اسی لیے ہر عثمانی سلطان قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی بھرپور کوشش کرتا رہا تھا۔۔۔۔

قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی پہلی کوشش بنو امیہ کے دور میں کی گئی تھی۔۔۔۔ان کی فوج نے شہر کا محاصرہ کرلیا تھا اور اسی محاصرے کے دوران جلیل القدر صحابی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تھی اور انہیں شہر کی فصیلوں کے پیچھے دفن کیا گیا تھا۔۔۔۔

لیکن وہ فوج شہر فتح نہ کر سکی۔۔۔۔اس شہر کو فتح کرنے کی دوسری کوشش اموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں بھی کی گئی تھی لیکن اس مرتبہ بھی فتح حاصل نہ ہو سکی۔۔۔۔

عثمانیوں کے زمانے میں سب سے پہلے سلطان بایزید اول نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تھا لیکن جب اسے ایشیائی کوچک میں تاتاریوں کی پیش قدمی کی اطلاعات موصول ہوئیں تو اسے مجبوراً محاصرہ اٹھانا پڑا تھا۔۔۔۔

اس کے بعد سلطان مراد ثانی نے اس اہم کام کا ارادہ کیا لیکن عثمانی بحری بیڑے کی کمزوری اور مضبوط فوجی قوت کی عدم موجودگی کے باعث اسے بھی اس اہم کام کو ادھورا چھوڑنا پڑا۔۔۔۔

آخرکار یہ شرف سلطان محمد کے حصے میں آیا اور اس نے اس شہر کو فتح کر کے نہ صرف مسلمانوں کی دیرینہ آرزو کو پورا کر دیا۔۔۔۔

بلکہ وہ عظیم فاتح بھی بن گیا اور اس کی فوج وہ عظیم فوج بن گئی جن کے متعلق محبوب خدا حضرت محمد ﷺ نے جنت کی بشارت دی تھی۔۔۔۔

یہی وجہ تھی کہ دولت عثمانیہ جو پندھرویں صدی عیسویں میں کسی خاص قوت و طاقت کی مالک نہ تھی۔۔۔۔لیکن سلطان محمد فاتح کے عہد میں دیکھتے ہی دیکھتے اول درجے کی طاقت بن گئی۔۔۔۔اس کی وجہ قسطنطنیہ کی فتح ہی تھی۔۔۔۔

عثمانی ترک اسلام سے بے حد وابستہ تھے اور جہاد ان کی عادت بن چکا تھا ان کا قانون قرآن وسنت تھا یہی وجہ ہے کہ عثمانی تقریباً چھ سو سال تقریباً نصف دنیا سے زیادہ علاقے پر حکمرانی کرتے رہے اور نبی کریم ﷺ کی بشارت بھی انہیں عثمانی ترکوں کے حصے میں آئی۔۔۔۔

اسی لیے سلطان محمد خاں سلطان محمد فاتح کے نام سے مشہور ہوا۔۔۔

سلطان محمد فاتح تقریباً 32 سال تک سلطنت عثمانیہ کے سلطان رہے انہیں نے محض 21 سال کی عمر میں 24 مئی 1453 عیسوی کو قسطنطنیہ کو فتح کر کے بازنطینی سلطنت کا ہمیشہ کیلیے خاتمہ کر دیا۔۔۔۔

یہ وہی سلطان محمد فاتح ہے۔۔۔۔جس نے اس عظیم شہر کو فتح کرنے کیلیے اپنے بحری جہازوں کو خشکی کے راستے چھ میل کا فاصلہ طے کرا کے شاخ زریں میں پہنچا دیا تھا۔۔۔۔اور اگلی صبح دشمن پاسفورس میں اسلامی بیڑے کو دیکھ کو لرز اٹھا تھا۔۔۔۔اس نے قسطنطنیہ کو فتح کیا اور رسول ﷺ کی بشارت کے مطابق جنت کا حق دار بنا۔۔۔۔

صحبت ٹھیک رکھو

اپنا بیٹھنا اور اُٹھنا، نشست و برخاست، سفر و حضر اور محبت و نفرت سب میں ایک کوشش ہونی چاہیے کہ برے آدمی کی صحبت میں نہیں جانا اور نیک کی صحبت سے محروم نہیں ہونا۔ اچھے آدمی کی دوستی انسان کو اچھا بنا دیتی ہے اور بُرے آدمی کی ہم نشینی آدمی کو برباد کر دیتی ہے۔ شیخ سعدی کی باتوں میں بڑی منطق ہے کہ ایک مرتبہ میرے ہاتھ مٹی لگی جس میں خوشبو رچی بسی ہوئی تھی میں نے پوچھا: تیرے اندر یہ خوشبو کیسی؟ مٹی بولی یوں تو حقیر چیز ہوں لیکن پھولوں کی صُحبت نے مجھے خوشبودار بنا دیا ہے۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب: سید فضل حسین شاہ، راولپنڈی

ساقی یہ عجب بادۂ گلفام دیا ہے
اک جام ہمیں اور دے کیا جام دیا ہے

سید ریاض حسین شاہ

اس دنیا میں ربّ کو چاہنے والے ہر رنگ میں بستے ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ وہ جہاں بھی رہیں اور جس حال میں بھی ہوں ہر رنگ میں ربّ ہی کو چاہتے ہیں۔بستی بستی اور نگر نگر ان کی چاہتوں کی خوشبو پھیلتی رہی ہے۔ انہیں جس زاویے سے ان کا ربّ نظر آ جائے بس وہ ادھر ہی جہاں آباد کر لیتے ہیں۔کوئی پتھر پہ بیٹھا ہے تو سنگ نشینی ہی میں زندگی بسر ہو رہی ہے۔کسی کو پڑھانے میں نور کی کوئی جھلک نظر آ گئی تو بس پڑھنے پڑھانے ہی میں زندگی بیت گئی۔ حضرت لالہ جی قدس سرہ العزیز ایک چھت پٹی دکان پر بیٹھتے تھے اور بس اسی دکان میں پڑی بوتلوں، ڈبوں اور جڑی بوٹیوں کے درمیان آپ نے محبتوں کا ایک جہاں آباد کر لیا تھا۔حضرت ہر خوشی اور ہر حادثہ اپنے پھٹے پر ہی بیٹھ کر دیکھنے کے عادی تھے۔حضرت لالہ جی قدس سرہ العزیز نے یہیں سے معرکے سر کیے تھے۔عروج و زوال کی کہانیاں پڑھیں، زندگی میں بڑی بڑی آندھیاں آئیں بڑے بڑے سیلاب بے قابو ہوئے، تاج لٹے تخت الٹے، برساتیں برسیں، خزاں چھائی، جھکاڑ آئے، بگولے گزرے، سکھاڑ آئے، بگاڑ تڑپے لیکن آپ نے اپنا زاویہ نہ چھوڑا۔مسجد سے دکان تک کی زندگی اتنی پرنور تھی کہ سینکڑوں کارواں اسی مسافت میں آپ کے ساتھی بنے اور پھر انہی راہوں سے وہ کچھ اس طرح وابستہ ہوئے کہ ان کی نگاہیں بس جادہ محبت میں بکھرے ہوئے ذروں کو رشک آفتاب تصور کرنے لگے۔

ایک دن اچانک ایسے ہوا کہ فقیر نے اپنی راہ بدل لی۔وہ دن کیسے یاد نہ ہو جب حضرت کے سر پر باندھا ہوا رومال اور اس کی باریک سیاہ کناریاں، سفید کتابی چہرہ، آنکھوں میں جیسے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہو۔ ایسا سمندر جس کی رحمت بار موجیں پوری دنیا کو اپنی آغوش میں لینے کے لیے بے تاب ہوں۔ انگلیاں عصا کی دستی پر ایسے لگ رہی تھیں جیسے معرفت کا کوئی نورانی حلقہ تھامے ہوں۔وہ دھیرے دھیرے نئی راہ پر چل رہے تھے۔صبح کا وقت جب سورج کی عنابی کرنیں حضرت کے رخساروں پر جذب ہو رہی تھیں، ایک سائل نے پوچھ لیا حضرت آج دکان پر نئے راستے پر تشریف فرما ہو رہے ہیں اور کافی دیر بھی ہو چکی ہے، خیریت تو ہے؟ آپ فرمانے لگے ''ووٹ دینے گیا تھا''۔لالہ جی حضور آپ ووٹ دینے تشریف لے گئے تھے؟ ہاں میں ووٹ دینے گیا تھا۔لالہ جی نے فرمایا: تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ قومی اتحاد کا امیدوار خان فخر الزماں خان آپ کی دکان پر آیا اور شکریہ ادا کرنے لگا تو حضرت لالہ جی قدس سرہ العزیز نے فرمایا: خان میں تمہیں نہیں جانتا نہ ہی میں نے تمہیں خوش کرنے کے لیے ووٹ دیا ہے، میرا کوئی دنیاوی کام بھی آپ سے وابستہ نہیں، میں عاشق ہوں رسول اللہ ﷺ کی شریعت کا، اگر میں بستر مرگ پر بھی ہوتا تو حضور ﷺ کی شریعت کے لیے ووٹ دینے کے لیے جاتا۔میری خواہش ہے کہ پاکستان سے انگریز کا قانون کالعدم ہو جائے اور رسول اللہ کی شریعت جاری ہو جائے۔دیکھنا دین سے بے وفائی نہ کرنا وگرنہ تمہاری کوٹھیوں میں پڑے ہوئے زیرپا قالین تمہاری تباہی کی آگ بن جائیں گے اور یہ بھی یاد رکھو کہ آگ ٹھنڈی ہو سکتی ہے لیکن خدائی عذاب کی آگ سرد پڑنا مشکل ہے''!!۔۔۔۔

حضرت لالہ جی قدس سرہ العزیز نے خان کو مخاطب کر کے کہا بولتے نہیں۔۔۔۔؟ خان کہنے لگا لالہ جی اگر تمہارے جیسے سچے لوگ اس ملک میں رہے تو رسول اللہ ﷺ کی شریعت کی حکمرانی ضرور قائم ہو جائے گی۔۔۔۔۔لالہ جی فرمانے لگے:

''جاؤ یہاں سے چلے جاؤ میرا نفس خراب نہ کرو دنیا میں مجھ سے اچھے لوگ بھی بستے ہیں''۔

خان رخصت ہوا تو حضرت لالہ جی قدس سرہ العزیز نے شریعت مطہرہ پر نہایت بلیغ گفتگو فرمائی۔آخری جملہ کچھ یوں تھا۔حکومت شریعت چھوڑے تو کفر جنم لیتا ہے۔مولوی شریعت چھوڑے تو بدعت کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور پیر شریعت چھوڑے تو جہالت کی تاریکیاں پھیلتی ہیں۔اس لیے ضروری ہے کہ حکومت علماء، مشائخ تربیت کے غلبہ کی بات کریں''۔نور بصیرت کی برسات تھی تو لالہ جی ساتھیوں سے فرمانے لگے آؤ ذرا باہر دھوپ کھاتے ہیں باہر نکلے، تو ساتھی کی خواہش تھی کہ حضرت کے لب لعلیں سے حسن بکھر تا رہے۔

ساقی یہ عجب بادۂ گلفام دیا ہے
اک جام ہمیں اور دے کیا جام دیا ہے

مولوی شریعت چھوڑے تو بدعت کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور پیر شریعت چھوڑے تو جہالت کی تاریکیاں پھیلتی ہیں

کیا ہم آزاد ہیں؟

آزادی کے تقاضے

ماسٹر احسان الٰہی

اس سال ہم 14 اگست 2024ء بڑے تزک و احتشام سے منا رہے ہیں۔ محمد علی جناح بانئ پاکستان کا پاکستان کے لیے جو ویژن تھا اور مصورِ پاکستان علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کا جو خواب تھا شومئ قسمت ہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس سے دور ہی ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ قائد کے نزدیک وطنِ عزیز کو اسلامی، فلاحی اور جمہوری مملکت بنانا تھا جس میں پاکستان میں بسنے والے ہر فرد کو برابر کے حقوق حاصل ہوں اور خارجہ تعلقات کے حوالے سے پاکستان ایک آزاد، خوددار اور خودمختار ملک ہو لیکن ہوا بالکل اس کے اُلٹ۔ بدقسمتی سے قائد اپنے ویژن کی تکمیل نہیں کر پائے کیونکہ ان کے جنون اور خواب پاکستان کی دو قومی نظریہ کی بنیاد پر تکمیل تو ہو گئی لیکن اس میں رنگ بھرنے کی مہلت نہ ملی اور پاکستان کے حصول کی خاطر اپنی صحت اور جان سے بے پرواہ رہے اور 11 ستمبر 1948ء کو خالق حقیقی سے جا ملے۔

پاکستان کے حصول اور قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بے وقت وفات کے بعد وطنِ عزیز میں جمہوریت کے ساتھ جو کھلواڑ ہوتا رہا وہ ہم سب کے سامنے ہے۔ قیامِ پاکستان کے کچھ عرصے بعد ہی ایک طرف طالع آزماؤں نے اپنا ایجنڈا تیز کر دیا تو دوسری طرف سیاستدان اپنے فروعی اختلافات میں الجھ کر رہ گئے۔ سب سے بڑی ستم ظریفی یہ تھی کہ وہ مذہبی عناصر جنہوں نے مذہب کے نام پر علیحدہ مملکت کے قیام کی مخالفت کی تھی، پاکستان کے مامے بن گئے۔ قائدِاعظم کے نزدیک تو ''جمہوری فلاحی پاکستان'' مقصد تھا جہاں کسی کو ویٹو پاور نہ ہو لیکن یہ عناصر پاکستان کو پاپائیت بنانا چاہتے تھے جہاں انہیں اسلام کے نام پر ویٹو پاور حاصل ہو۔ یہاں ایک نئی بحث چھیڑ دی گئی کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا ہے لہٰذا اسلامی ملک ہوگا نہ کہ مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن حالانکہ آئین میں قراردادِ مقاصد شامل کر کے اس بحث کو ختم کر دیا گیا تھا۔ اس قسم کے فروعی اختلافات اور فیوڈل سیاسی ایلیٹ کے سازشی ایجنڈے کی بنا پر پاکستان تقریباً نو برس سرزمینِ بے آئین رہا۔ اس ساری صورتحال میں جنرل ایوب خاں کی قیادت میں بھرپور فائدہ اٹھایا گیا۔ 1956ء میں ایک جمہوری، پارلیمانی اور وفاقی آئین پر اتفاق ہونے کے باوجود سیاستدانوں کے جھگڑے برقرار رہے اور 7 اکتوبر 1958ء کو فوج نے اقتدار پر پہلا شب خون مارا۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر صدر پاکستان نے خود کو فیلڈ مارشل بنا لیا اور قائدِاعظم کی اساس کا بیڑا غرق ہو گیا۔ 1962ء میں ایسا آئین قوم پر ٹھونسا گیا جسے اس لیے لائل پور کے گھنٹہ گھر سے تشبیہ دی جاتی تھی کہ اس کی ہر شق ایوب خاں کے اقتدار کو دوام بخشنے پر ختم ہوتی تھی۔ ایوب خاں کے فلسفے کے مطابق پاکستانی قوم جمہوریت کی اہل ہی نہیں تھی لہٰذا ان پر بنیادی جمہوریت کا نظام ٹھونسا گیا جس کے تحت مشرقی اور مغربی پاکستان سے چالیس چالیس ہزار بلاواسطہ انتخابات کے ذریعے منتخب ہونے والے بی ڈی ممبر بظاہر ملک کی تقدیر کے مالک بن گئے۔ بلا واسطہ انتخابات کے ذریعے صدارتی نظام نافذ کیا گیا۔ صدر اور قومی اسمبلی کا انتخاب بھی یہی الیکٹورل کالج کرتا تھا۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی بنیاد بھی یہیں سے پڑ گئی تھی۔ اس سے پہلے ون یونٹ بنا کر وفاقی نظام کو پہلے ہی دفن کر دیا گیا لیکن اصل مقصد یہ تھا کہ مشرقی پاکستان کی اکثریت کو بے اثر کرنے کے لیے Parity کی ایک نئی سکیم گھڑی گئی۔ ایوب خاں کو اپنے بائیس خاندانوں کی پشت پناہی میں عشرہ اصلاحات منا کر اور کرپشن کی بنیاد رکھ کر اپنے خلاف ایک تحریک کے نتیجے میں خود اپنے ہی بنائے آئین سے انحراف کرتے ہوئے ایک اور آمر یحییٰ خاں کے حوالے کر کے چلتے بنے۔ یحییٰ خاں نے ایل ایف او کے ذریعے ون یونٹ ختم کر دیا لیکن 1970ء کے انتخابات کے نتیجے میں مجیب الرحمان کی اکثریت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جس سے مشرقی پاکستان خانہ جنگی اور بھارتی سازشوں کی وجہ سے ملک سے علیحدہ ہو گیا۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ قائدِاعظم کے افکار سے یکسر روگردانی کی گئی۔ آدھا ملک گنوانے کے بعد بھی ہم نے تاریخ سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔

1977ء میں ایک اور طالع آزما جنرل ضیاءالحق اسلام کے نام پر قوم پر سوار اور مسلط ہو گئے۔ رہی سہی کسر انہوں نے نکال دی اور ملک سے، اسلام سے کھلواڑ کرتے ہوئے قائدِاعظم کے پاکستان کا حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا۔ سب سے مضحکہ خیز صورتحال اس وقت پیدا ہوئی جب 1984 میں ایسا نام نہاد ریفرنڈم کرایا کہ اگر آپ اسلام کا نفاذ چاہتے ہیں تو ضیاءالحق صدر منتخب ہو جائیں گے۔ اس کے بعد جمہوریت کی بنیاد پر مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کی جدوجہد کے نتیجے میں حاصل ہونے والے پاکستان میں نیا نظریہ نافذ کیا گیا کہ سیاسی جماعتیں اور پارلیمانی جمہوریت اسلام کی نفی ہیں۔ یہ جنرل ضیاءالحق ہی تھے جنہوں نے پاکستان کو افغانستان کی جنگ میں دھکیل دیا اور وطنِ عزیز کو دہشت گردوں کی نرسری بنا دیا یہ کس قدر افسوسناک اور روح فرسا صورتحال تھی کہ معدودے چند لوگوں کو چھوڑ کر قائد اور ان کے افکار کا کوئی نام لیوا ہی نہ رہا۔ مزید ستم ظریفی یہ کہ جب ضیاءالحق کو 1985ء میں طوعاً و کرہاً غیر جماعتی انتخابات کرانے پڑے تو اس کی کوکھ سے ہی اس وقت کی آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل گل حمید کی کوششوں سے آئی جے آئی اور بعد از مسلم لیگ نے جنم لیا۔ ایک نئی سیاسی جماعت سامنے آئی جسے قائد کے افکار کا کوئی ادراک تھا اور نہ ہی اس سے کوئی دلچسپی۔ پارلیمانی سیاست قانون سازی اور جمہوری اداروں کو فروغ دینے کی بجائے

اراکانِ اسمبلی کے لیے پلاٹوں، پرمٹوں، ملازمتوں کے کوٹے اور ترقیاتی فنڈز ہضم کرنے تک محدود رہ گئی۔نئی مسلم لیگ کے قائد نواز شریف ٹھہرے لیکن وہ سیاسی اکھاڑے اور اس کی حکمتِ عملی کے تقاضوں کا تجربہ نہیں رکھتے تھے اور سیاست میں نئے نئے داخل ہوئے تھے۔اس چیز کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جنرل پرویز مُشرف جنہیں اقتدار پر شب خون مارنے اور بعد از ایمرجنسی پلس لگانے کے الزام میں خصوصی عدالت نے موت کی سزا سنائی تھی وہ نو برس تک بلا شرکتِ غیرے پاکستان پر قابض رہے۔انہوں نے نام نہاد اعتدال پسند روشن خیالی کا خود ساختہ نظریہ گھڑا۔لیکن عملی طور پر وہ ضیاء الحق کی طرح امریکہ کے پٹھو اور ان کی جہادی پالیسیوں کے مقلد رہے۔جن ادوار کا ذکر کیا گیا ہے، جائزہ لیا جائے تو یہ بات کہنے میں کوئی عار نہیں ہونی چاہیے کہ جہاں سیاستدان قائدِ اعظم کے ویژن اور افکار کی ترویج میں ناکام رہے وہاں ان کے افکار کے بالکل الٹ کام کیے اور ان کی نفی کی۔ مسلم لیگ ہو یا پیپلز پارٹی اور دیگر جماعتیں کرپشن کے مرتکب ہوئیں اور اچھی گورننس بھی نہ دے پائیں۔تحریک انصاف یہ کچھ ٹھیک کرنے نکلے اور اقتدار پر متمکن ہوئے اور انہیں اس کے لیے فوجی حمایت حاصل رہی لیکن انہوں نے ضیاء الحق کی طرح اسلامی نفاذ کی طرز پر پاکستان کو ریاستِ مدینہ بنانے کا چکمہ دیا لیکن اخلاق باختگی، کرپشن، فحاشی، عریانی، جھوٹ، یوٹرن، الزام تراشیوں اور بہتانوں کے وہ طوما باندھے کہ الحفیظ، الامان، مدینہ شریف میں ہلڑ بازی اور نعرہ بازی اور بے ادبی کروانے کی سزا 9-مئی کے واقعے کی صورت میں از مکافاتِ عمل کی صورت میں بھگت رہے ہیں۔دلچسپ بات یہ ہے کہ پاکستان کو ریاست مدینہ بنانے کا تو ذکر ہوتا ہے لیکن موجودہ برسرِ اقتدار طبقے میں قائدِ اعظم یا ان کے افکار کا کوئی نام لیوا نظر ہی نہیں آتا۔قائدِ اعظم کا ویژن بھی تو اسلامی ریاست اور ریاستِ مدینہ ہی تھا۔

موجودہ پس منظر

دنیا کے تمام اسلامی ممالک کے ناموں کے سامنے رکھا جائے تو سب سے پیارا، خوبصورت اور پاکیزہ نام پاکستان ہی نظر آئے گا یعنی پاک لوگوں کی سرزمین لیکن خدائے بزرگ و برتر کی اطاعت کا شکر بجا لانے کی بجائے ہم اپنے ملک کی جس قدر توہین، بے قدری اور بدنامی کر رہے ہیں روئے زمین پر موجودہ کوئی بھی ایسا ملک نہیں ہے جس کے باشندے اپنے وطن کی اس قدر ناقدری کرتے ہوں۔ ہمارے اعمال، کردار، رویئے اور سوچیں اس قدر خوفناک، مکروہ اور گھناؤنی ہو چکی ہیں کہ یہود و ہنود بھی ان کرتوتوں پر شرماتے نظر آتے ہیں۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدّن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

پورے پاکستان میں امن و آشتی، چین و سکون نام کا کوئی وجود نہیں ہے۔افراتفری اور لوٹ مار کا اودھم مچا ہوا ہے۔ایک انسان دوسرے انسان کو کاٹ اور نوچ رہا ہے۔شب و روز ہم وطن عزیز کو دیمک کی طرح چاٹنے اور کھوکھلا کرنے میں مصروفِ کار ہیں۔واپڈا اور گیس کے محکمہ جات، کچہریوں، تھانوں، پولیس اسٹیشنوں، سرکاری و پرائیویٹ ہسپتالوں، عدالتی و انتظامی امور، تعلیمی اداروں اور دفاتر غرض ہر طرف کرپشن پہ کرپشن کا پینڈورا باکس عوام لناس کا خون چوس رہا اور منہ چڑا رہا ہوتا ہے حتیٰ کہ محکمہ اینٹی کرپشن بھی کسی سے پیچھے نہیں ہے۔

ان دفاتر میں جس قسم کی بے قاعدگیاں، لوٹ گھسوٹ اور کرپشن ہو رہی ہے اللہ کی پناہ، رشوت اور سفارش ہماری گھٹی میں رچ بس چکی ہے۔اس کے بغیر کوئی کام پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔مختلف محکمہ جات کے افسران اور ماتحت عملہ وقت کٹی اور رشوت کے پیسے اکٹھے کرنے کے لیے دفاتر میں حاضری دیتے ہیں۔ افسران لایعنی میٹنگوں اور ٹی اے، ڈی اے کے لیے غیر ضروری دوروں میں اپنے لاؤ لشکر سمیت مصروف ہو جاتے ہیں یا اپنے مخصوص کمروں میں آرام فرما ہوتے ہیں اور ماتحت عملہ سائلین کی جیبوں کو خالی کرنے کی منصوبہ بندی میں لگ جاتا ہے جس میں افسران کا بھی حِصّہ ہوتا ہے۔مختلف سائل دور دراز کے علاقوں سے اپنے کام چھوڑ کر سفر کی صعوبت برداشت کر کے اپنے مسائل کے حل کے لیے دفتروں میں آتے ہیں، اپنا وقت برباد کر کے دفاتر کے ملازمین کے ظلم کی بھینٹ چڑھ کر مایوس اور نامراد و ناکام گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔صرف رشوت کا پیسہ ہی تمام مسائل کا واحد حل ہے۔ پیسے سے ناجائز اور ادھورے کام بھی فوراً مکمل ہو جاتے ہیں جبکہ رشوت کے بغیر جائز اور مکمل دستاویزات بھی بے بنیاد اور من گھڑت اعتراضات کی زد میں آجاتے ہیں۔جب کہ کھلی اور واضح حدیث مبارکہ ہے: "رشوت دینے والا اور لینے والا جہنمی ہے۔'اوپر سے مہنگائی، غربت، لوڈ شیڈنگ اور افلاس کے عذاب نے عام انسان کا بھُرکس نکال دیا ہے اور جینا دوبھر ہو چکا ہے اور لوگ مجبوراً اپنی گھر کی چیزیں، اپنی عزت و ناموس اور اپنے بچوں تک کو بیچنے یا مارنے پر آمادہ ہو رہے ہیں۔ منگلا اور تربیلہ کے بعد اب تک کوئی ڈیم نہ بن سکا ہے۔ بھارت ڈیم پر ڈیم بنا رہا ہے اور ہم سے کالا باغ ڈیم یا بھاشا ڈیم کی تعمیر بھی مکمل نہ ہو سکی اگر کالا باغ ڈیم کی بات ہوتی ہے تو ہمارے اپنے ہی ارکانِ اسمبلی پارلیمنٹ میں امریکہ یا بھارت کی ایجنٹی شروع کر دیتے ہیں اور صوبہ پرستی آڑے آجاتی ہے۔فضول بحث چھڑ جاتی ہے کہ فلاں صوبے کو نقصان کا اندیشہ ہے اور فلاں صوبہ فائدہ اٹھائے گا۔ایک بازو کٹوا کر بھی ہمیں عبرت حاصل نہیں ہوئی۔ اس وقت سب سے گھمبیر مسئلہ بجلی کے بلوں کا ہے۔بل اتنے زیادہ آتے ہیں کہ ہوش اڑ جاتے ہیں اور غریب آدمی ذہنی مریض بن گیا ہے۔فی یونٹ قیمت ادا کرنا بس کی بات نہیں رہی۔اشرافیہ، وزراء اور اعلیٰ سرکاری افسران مفت بجلی اور پٹرول استعمال کرتے ہیں جبکہ غریب مزدور، متوسط طبقہ اور ملازمین سارا بوجھ برداشت کرتے ہیں۔بے تحاشہ بجلی چوری عام ہو چکی ہے، روک تھام کے لیے کوئی لائحہ عمل نہیں اپنایا جاتا ہے۔خسارہ پورا کرنے کے لیے یونٹس کے ریٹ میں روز بروز اضافہ کر کے غریب عوام کی زندگی اجیرن ہو چکی ہے۔ وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ کی طرح ایک عام انسان بھی اتنا ہی حقدار اور سہولتوں کا مستحق ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بڑا تو کوئی حکمران نہیں ہے جس میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پیتے تھے۔خلیفہ دوم ہر وقت لرزہ براندام رہتے کہ ان کی سلطنت میں انسان تو کیا ایک کتا بھی بھوکا مر گیا تو عُمر جواب دہ ہوگا۔ہمیں ہوش کے ناخن لینے چاہییں اور خدا کی پکڑ سے ڈرنا چاہیے۔یہ عہدے یہ اقتدار آنی جانی چیز ہے۔آج ہے تو کل نہیں ہوگا۔ اس کے نشے میں اپنی قبر اور عاقبت خراب نہ کرو چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات۔بلا جواز پروٹوکول، قیمتی، لگژری گاڑیوں کے جم غفیر کا پٹرول غریب عوام برداشت کرتی ہے۔ گڈ گورننس زیرو ہے۔

آج سب سے Top Priority پر بجلی کے جان لیوا بلوں کا مسئلہ ہے۔ اتنی مہنگی بجلی غریب، متوسط اور تنخواہ دار طبقہ Afford نہیں کرسکتا۔ اس پر اولین فوکس کیا جائے اور اس کا جلد از جلد حل تلاش کیا جائے اور بجلی چوری کا فوری، مستقل اور نیک نیتی سے سدِّ باب کی منصوبہ بندی کی جائے۔ ڈیم بنائے جائیں اور خاص طور پر کالا باغ ڈیم جس کی تعمیر کا اُدھا کم مکمل ہو چکا ہے۔ اس کو جلد از جلد مکمل کیا جائے اِس سے ہر سال سیلاب کی صورت میں جو پانی فضول ضائع ہو جاتا ہے اور ملک کو ملت پر جو قہر نازل ہوتا ہے اس پر کافی حد تک قابو پایا جاسکتا ہے اور اس سے سیلابی پانی کے ریلوں کو آبی جھیلوں میں سالہا سال تک کے لیے سٹاک کرنے کی منصوبہ بندی ہو سکتی ہے۔ اگر ڈیم نہیں بنانے تو ایران اور چین اگر سستے داموں غریب عوام کو سستی سے سستی بجلی فراہم کرنے پر رضامند ہے تو پھر کون سی مصلحت آڑے آ رہی ہے کہ غریب عوام کا کچومر نکالا جائے۔ یہ صرف چند عاقبت نا اندیش، ننگِ دیں، ننگِ وطن افراد کی نالائقیوں اور ہٹ دھرمیوں کی سزا کروڑوں انسانوں کو دینا کہاں کی دانشمندی ہے۔ بڑے لوگ اور سرمایہ دار تو بڑے دھڑلے سے بجلی چوری کر لیتے ہیں اور ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا لیکن غریب عوام کہاں جائے۔ چوری کی ہوئی بجلی کا بیلنس پورا کرنے کے لیے یونٹس کے ریٹ بڑھا دیے جاتے ہیں اور پھر مزید یونٹس ڈال کر خسارہ مظلوم عوام سے پورا کیا جاتا ہے۔ بات ہو رہی ہے کہ ہم وطنِ عزیز کو کمزور سے کمزور تر کر رہے ہیں۔ ''اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے'' کہ مصداق رشوت خوری، چور بازاری، دھوکہ، منافقت، فریب دہی، جوا، منشیات، جھوٹ، ملاوٹ، غیبت، زنا اور نہ جانے کتنی ہی قبیح اور گھناؤنی عادات کی دلدل میں پھنس اور دھنس چکے ہیں کہ نکلنا ناممکن ہے۔ اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی'' کے مصداق کون سی بیماری اور ناسور ہے جس کے ہم شکار نہ ہو چکے ہوں۔ قتل و غارت گری کا یہ عالم ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کو معمولی بات پر گاجر مولی کی طرح کاٹ رہا ہے۔ افسوس! مسلمان کیا سے کیا ہو گیا؟ ہم حیوانوں سے بھی بدتر زندگی گزار رہے ہیں۔ عقل و شعور نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ ٹریفک پولیس اکثر مختلف جگہوں پر اپنی گاڑی کھڑی کر کے غریب اور محنت مزدوری سے اپنے بیوی بچوں اور پوری فیملی کی کفالت کرنے والے رکشا، ٹریکٹر ٹرالی، ٹرک، مزدہ اور بس ڈرائیورز کو بلاوجہ روک کر مختلف قسم کے بے بنیاد سوالات کر کے انہیں پریشان کرتے اور سرِ عام رشوت کے پیسے بٹورتے نظر اتے ہیں۔ ان ٹریفک پولیس والوں سے کون یہ پوچھے کہ رشوت لے کر وہ غریب اور مزدور لوگ ٹریفک قوانین سے بری ہو جاتے ہیں۔ ان کے کاغذات اور دیگر قانونی سُقم اسی وقت درست ہو جاتے ہیں لیکن اس کے برعکس امیر اور اشرافیہ لوگوں کی لینڈ کروزر، مرسڈیز اور لگژری قسم کی گاڑیوں کو کوئی نہیں روکتا اگر چہ ان میں انسانیت کش مواد ہی کیوں نہ بھرا ہوا ہو۔

الراشی و المرتشی کی حدیث کو غیر مسلم نہیں مانتے لیکن وہ رشوت نہیں لیتے لیکن ہم مسلمان اس حدیث پر ایمان و یقین رکھتے ہیں لیکن پھر بھی رشوت لیتے اور دیتے ہیں کیا یہ ہمارے لیے لمحہ فکریہ نہیں ہے؟

بات چل رہی ہے وطنِ عزیز پاکستان کے حالاتِ حاضرہ کی۔ بارشوں میں نکاسیِ آب کا مسئلہ بڑی خطرناک صورتحال اختیار کر لیتا ہے۔ سڑکیں اور گلیاں گندی نالوں کا منظر پیش کر رہے ہوتے ہیں اور معمولاتِ زندگی مفلوج ہو کر رہ جاتے ہیں۔ بجلی کا نظام معطل ہو جاتا ہے مختلف قسم کے حادثات رونما ہوتے ہیں۔ گندگی اور تعفن سے بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ اس کے ذمہ دار افراد صرف زبانی جمع تفریق اور روایتی قسم کے بیانات اور جوابات گھڑ کر بری الذّمہ ہو جاتے ہیں۔ حفظِ ما تقدم اور احتیاطی تدابیر اور ان پیش آنے والے حالات اور نقصانات کے سدِّ باب کے لیے مستقل عملی اقدامات نہیں کیے جاتے۔

ہمارے پاس صاف پانی کی قلت ہے۔ بجلی ہمارے پاس ضرورت سے بہت کم ہے۔ نئے ڈیمز بنانے کی پوزیشن میں ہم نہیں ہیں۔ یہی حال گیس کا ہے۔ نئے اور جدید ہسپتال تعمیر نہیں ہو رہے۔ آبادی کے تناسب سے وسائل کم ہوتے جا رہے ہیں۔ اگر وسائل ہیں تو ان سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کا جنون اور صلاحیت نہیں ہے۔ صنعتیں ملکی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس طرف توجہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہمارے ہمسایہ ملک بھارت اور بعد میں آزاد ہونے والے بنگلہ دیش کی معیشت ہم سے مستحکم ہے اور اُن کی کرنسی کا ریٹ بھی ہم سے زیادہ ہے۔ وہ بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کی طرح لوگوں کو بھکاری نہیں بناتے بلکہ چھوٹی چھوٹی صنعتیں لگا کر لوگوں کو روزگار کے مواقع فراہم کرتے ہیں اور بے روزگاری کے خاتمے کی پالیسی پر گامزن ہیں۔ انکم سپورٹ سکیم ''بھکاری سکیم'' ہے اور بہت سا پیسہ نا اہل لوگوں کی نظر ہو جاتا ہے اور بہت تھوڑا حقدار کے حِصّہ میں آتا ہے۔

مہنگائی، بے روزگاری اور غربت کے ناسور نے زندگی کا سکون برباد کر دیا ہے۔ ہر سال نصاب، تعلیمی پالیسیاں اور نظامِ امتحان بدلتا رہتا ہے۔ پالیسیوں میں تعطل اور ردّ و بدل کا رجحان بہت زیادہ ہے۔ ملکی تعمیر و ترقی میں کسی ٹھوس، مستقل، جامع اور طویل المیعاد منصوبہ بندی کا فقدان ہے۔ جس کے لاٹھی اس کی بھینس کا قانون چل رہا ہے۔ ارکان پارلیمنٹ جو کہ اکثر جعلی ڈگری ہولڈر اور انگوٹھا چھاپ ہیں، نئے چہروں کے ساتھ دوبارہ پارلیمنٹ میں براجمان ہونا اپنا حق اور وراثت تصور کرتے ہیں اور کارکردگی صفر ہے۔ پارلیمنٹ کے اجلاسوں میں کرپشن کے الزامات، بہتان تراشی پر بحث اور تمحیص ہوتی ہے یا پھر حدود آرڈیننس پر مباحثہ شروع ہو جاتا ہے۔ آپس کے جنگ و جدل، گالی گلوچ، دھونس مکّہ بازی اور پگڑی اچھالو پروگرام سے فرصت ملے تو غربت، بے روزگاری، مہنگائی، لوڈ شیڈنگ، خودکش حملوں، قیمتوں میں توازن اور اجناس کے موضوعی بحران پر گفتوشنید ہو۔ پارلیمنٹ ہاؤس مچھلی منڈی کا منظر پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ کوئی ٹھوس، مثبت اور ملکی تعمیر و ترقی کا منصوبہ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ پاتا۔ مہنگائی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے۔ دہشت گردوں سے آہنی ہاتھوں سے نمٹا جائے گا، مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچائے بغیر دم نہیں لیں گے۔ اگر کسی واقعے سے جان چھڑانی ہو تو کمیٹی تشکیل دے دی جاتی ہے کہ وہ انکوائری کر کے رپورٹ پیش کرے۔ اس قسم کے بیانات اخبارات اور سوشل میڈیا کی زینت بنے رہتے ہیں اور عوام کو لالی پوپ دے دیا جاتا ہے۔ وزراء اور ارکان اسمبلی جو پہلے سے (Settelled) ہوتے ہیں قومی خزانہ خالی کرنے کے ذمہ دار ہیں کیونکہ یہ لوگ زیادتی لڑائیاں اور مخول بازیاں کر کے تنخواہیں، فنڈز، بونس، ٹی اے، ڈی اے اور قرضے ہڑپ کر جاتے ہیں۔ مفت پٹرول، مفت اے سی، مفت بجلی ان کا مقدر ہے اور غریب عوام کے لیے ٹھینگا۔ فضول اور بے مقصد اللّوں تللّوں، لنچوں، ظہرانوں، عشائیوں، سکیورٹی انتظامات،

فری میڈیکل چیک اپ اور علاج، فوج ظفر موج وزراء حضرات کے مختلف قسم کے اخراجات، رہائش گاہوں اور بنگلوں وغیرہ کی تزئین و آرائش، قیمتی اور لگژری گاڑیوں، غیر ضروری غیر ملکی دورہ جات وغیرہ پر ہر سال حکومت اور عوام کا اربوں کھربوں روپے کا ضیاع ہوجاتا ہے جو کہ عوام الناس کے خون پسینے کی کمائی سے حکومت کو ادا کیے جاتے ہیں۔ٹیکس تو دیتی ہی غریب عوام ہے امراء اور اشرافیہ تو ٹیکس ادا ہی نہیں کرتے اور پھر بجٹ خسارہ پورا کرنے کے لیے غریبوں پر مزید ٹیکس لاگو کر دیے جاتے ہیں یا پھر ہم کشکول ہاتھ میں پکڑے بھکاریوں کی طرح آئی ایم ایف، ورلڈ بینک یا دیگر ممالک اور اداروں سے بھیک مانگ رہے ہوتے ہیں اور ان کی دُم چاٹ رہے ہوتے ہیں۔قومی دولت قوم کی امانت ہوتی ہے جس کو صرف عوام کی فلاح و بہبود اور ملکی تعمیر و ترقی کے لیے خرچ کیا جاسکتا ہے اور مثالیں ہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ریاستِ مدینہ کی دیتے ہیں ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جنہیں عمر ثانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ان کے زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ اگر وہ امور سلطنت میں مشغول ہوتے تو سرکاری دیا استعمال کرتے اور اگر کوئی نجی کام کر رہے ہوتے یا ذاتی طور پر کوئی ملنے آجاتا تو سرکاری چراغ بجھا دیتے کہ اس چراغ کا تیل قوم کی امانت ہے اور اپنا ذاتی چراغ روشن کر لیتے۔

پاکستان مالِ مفت دلِ بے رحم کے مصداق ''لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا'' کی مانند ہمارے ہاتھ لگ گیا ہے۔کونسا ہم نے خونِ جگر دے کر رخِ برگِ گلاب حاصل کیا ہے کہ ہمیں درد ہو۔

کیا ظلم ہے کہ منزل کا سکون ان کو ملا
دامن پہ جن کے گردِ سفر تک نہ تھا

ہمارا تو ایک ہی کام ہے کہ عیاشی کریں۔قومی تہوار اور خاص طور پر 14 ۔اگست دھوم دھام سے منائیں اور آزادی کا جشن منائیں۔موٹر سائیکلز کے سائلنسر نکال کر شور شرابہ کریں۔ بدتمیزی اور بے ہودگی کا طوفان کھڑا کریں۔اخلاقی اقدار کو پامال کریں تاکہ شریف اور نازک طبع لوگ گھروں سے باہر ہی نہ نکلیں۔ون ویلنگ کرتے ہوئے کتے کی موت مریں اور والدین کے لیے قیامت بپا کریں۔مسابقت کی فضا نے ٹینشن ،ڈپریشن اور فرسٹریشن جیسے موذی امراض پیدا کر دیے ہیں۔رہی سہی کسر فضائی آلودگی نے نکال دی ہے۔ ہر طرف مٹی ، گرد، پٹرول، ڈیزل اور گیسوں سے بھرا دھواں انسانی اعضاء کو بیمار اور کمزور کر رہا ہے۔ اس کے کنٹرول ، سدِ باب اور متبادل منصوبہ بندی کے بارے میں سوچ بچار کی کسی کو فکر نہیں ہے۔14 ۔اگست کو خصوصی طور پر ان آلودگیوں میں اضافہ کرنے کی ریہرسل ہوتی ہے۔ ڈیک پر خوب اونچی آواز میں ڈسکو اور انڈین گانے لگا کر والہانہ انداز میں رقص کیے جاتے ہیں اور قانون کی دھجیاں اڑا کر ہم اپنی جھوٹی انا کو تسکین فراہم کرتے ہیں اور پھر ہم خوش ہوتے ہیں کہ ہم ایک آزاد قوم کے باشندے ہیں لیکن یہ کیسی آزادی ہے؟ پہلے ہم انگریز کے غلام تھے اور اب انگریز کے ساتھ ساتھ امریکہ کے بھی غلام ہیں۔ کلچر ہمیں انگریزوں کا اچھا لگتا ہے۔ داڑھی سٹائل ،ڈریس سٹائل، ہیئر سٹائل وغیرہ وغیرہ۔ ہم ایڈوانس کلچر کے داعی بننے میں خوشی محسوس کرتے ہیں اور حضور آقا علیہ السلام کی سنتوں پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ امریکہ سے تو ہم ویسے ہی بہت ڈرتے ہیں کیونکہ وہ دنیا میں سپر پاور اور جدید ٹیکنالوجی کا ہوّا کھڑا کیے ہوئے ہے جو کہ حکم عدولی پر ہمیں صفحۂ ہستی سے مٹا دے گا لیکن علامہ اقبال رحمت اللہ علیہ کے اس تصور سے ہمارا ایمان و یقین اٹھ گیا ہے:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

ہم کس قسم کی ایٹمی طاقت ہیں اور کیسی آزادی کے علمبردار ہیں کہ ڈر ڈر کر اور سہم سہم کر زندگی گزار رہے ہیں۔شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہوتی ہے۔ اگر ضمیر زندہ اور احساس بیدار ہوتا تو آج وہ سب کچھ نہ ہوتا جو ہو رہا ہے۔ ہر بم دھماکہ پاکستان سے منسوب نہ ہوتا، ہوائی اڈوں پر جامع تلاشی اور تذلیل جیسے مناظر نہ دیکھنے پڑتے ، بھارت دھمکیاں نہ دیتا ،امریکہ من مانیاں نہ کرتا، برطانیہ آنکھیں نہ نکالتا، جرمنی بدسلوکیاں نہ کرتا، افغانستان الزام تراشیاں نہ کرتا اور روس منہ نہ پھیرتا۔

آج پاکستان اقوامِ عالم میں تنہا کھڑا ہے، یہ کیسی آزادی ہے کہ ہر کوئی ہمارا منہ چڑا دیتا ہے۔ ہم تھپڑ مارنے کی بجائے جی حضور جی حضور کر دیتے ہیں۔ زندگی کی قدروں، انسانیت کی معراج اور اسلام کے آفاقی اصولوں کو دولت کی چکا چوند کی بھینٹ چڑھا کر آج پاکستان اس مقام پر کھڑا ہے کہ ہمیں ہر طرف سے نا امیدی اور مایوسی کا سامنا ہے۔ ہماری انا، عزت، ضمیر، احساس اور شعور نیم مردہ حالت میں ہے۔ہم نے اپنے قومی ہیرو اور پاکستان میں ایٹمی طاقت کے موجد و خالق و محسن کو موت سے بھی بدتر حالت میں جینے کی سزا دی جس نے ہمیں دشمن کی آنکھ میں آنکھ ڈالنے کے قابل بنایا۔زندہ اور پائندہ قوم تو اپنے قومی ہیروز کو زر و جواہر میں تولتی ہیں، کیا زمانے میں پنپنے کے انداز ایسے ہوتے ہیں ؟لیکن ربِّ ذوالجلال کا بھی فرمان ہے کہ خدا اس قوم کی حالت نہیں بدلتا جس کو اپنی حالت خود بدلنے کا احساس نہ ہو، ہم بحیثیت عوام بے حسی سے کم نہیں ہے، دودھ میں پانی، سرخ مرچ میں برادہ، دالوں میں روڑ، دوائی دو نمبر، گوشت میں پانی ،رشوت کے پیسے، شہد میں شیرا، شربتوں میں سکرین ،من مانے ریٹ بڑھانا وغیرہ وغیرہ اور ہر کام میں دو نمبری اور دھوکہ دہی وغیرہ ذخیرہ اندوزی اور مصنوعی قلت وغیرہ ان سب کاموں کا حکم حکومت یا وزیر اعظم تو نہیں دیتا یہ سب خرافات ہماری اپنی اختراع شدہ ہیں اس کے علاوہ اور تو اور ہمارے علماء، خطباء مشائخ و پیرانِ عظام (ان میں سب شامل نہیں) جو امامت کی مسند کے جانشین، وارث اور شاہ سوار ہیں اور جو عالم کی موت عالم کی موت جیسے عظیم مقام و مرتبے پر فائز ہیں اور جن کے ذمے ضرورت پڑنے پر ملک و قوم کی ڈگمگاتی کشتی کو سہارا دیکھ کر کنارے پر لگانا ہے ان میں سے اکثریت مسلک کی بھول بھلیوں میں گم ہو کر اپنے اجداد و اسلاف اور بزرگوں کا مشن چھوڑ کر جائیداد و بنگلوں، گاڑیوں اور مال و دولت کے حصول اور شاہی ایوانوں کے گرد منڈلانے میں مصروف کار نظر آتی ہے اور جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہنے کا درس حسینیت بھلا دیا ہے جو ان کے آباو اجداد کا ورثہ تھا۔

کیا پاکستان ہمارے آباو اجداد اور بے گناہ معصوم پھول جیسے نازک بچوں نے اپنے خون سے رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات رقم کر کے اور ہماری ماؤں، بہنوں، بہو بیٹیوں اور بوڑھوں نے وحشیانہ قتل، عصمت دری اور درندگی کی کسوٹی پر آزادی کا چراغ اس لیے روشن کیا تھا کہ ہم اس میں آزادی کی بجائے انگریزوں کی غلامی سے بھی بدتر حالات میں زندگی گزاریں گے۔ ہر روز ہر وقت دینی و اخلاقی اقدار پامال ہو رہی ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات اور تعلیمات کی کھلم کھلا تضحیک ہو رہی ہے۔ کیبل، انٹرنیٹ

اورموبائل فون وغیرہ کے مثبت استعمال کی بجائے منفی فحش اورشرمناک مناظر ہم اپنی ماؤں، بہنوں، بہو اور بیٹیوں کے ساتھ ایک ہی جگہ دیکھ کر شرم وحیا اور دینی اور مذہبی اقتدار کی دھجیاں اڑا رہے ہیں اور ایڈوانس کلچر روشن خیالی کے داعی بن کر بڑے فخر کے ساتھ جنسی اور نفسانی خواہشات کی تسکین سے اپنی غیرت کی اہمیت کا خود ہی جنازہ نکال رہے ہیں

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ایسے حالات اور ماحول میں ہم کیسے سرخرو ہو سکتے ہیں اور عزت وآبرو کی زندگی کا تصور کر سکتے ہیں۔

قلب میں سوز نہیں رہی روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد ﷺ کا تمہیں پاس نہیں

ہم تو فقط نام ہی کے مسلمان رہ گئے ہیں اس بارے میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

رہ گئی رسم اذاں روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر نعمت سے نواز رکھا ہے۔ پہاڑ، دریا، سمندر، جنگلات مختلف قسم کی نایاب معدنیات، سرسبز و شاداب باغات، صحرا، زرخیز زمینیں، جنت نظیر پربت اور وادیاں اور حسین نظارے وغیرہ وغیرہ۔ چار موسموں سے ہم لطف اندوز ہوتے ہیں۔ بندرگاہیں ہمارے پاس موجود ہیں۔ دنیا کی سب سے بڑی بہادر تربیت یافتہ آرمی پائلٹ آفیسر، نیوی سٹاف جن کی وجہ سے ہمیں کوئی میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ دشمن صرف سازشوں کی حد تک ہی مصروف عمل رہتا ہے لیکن انشاءاللہ پاکستان کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتی۔ اللہ کے فضل سے ہمارے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہے کمی ہے تو خلوص، لگن، محنت، حب الوطنی، ایمانداری اور نیک نیتی کی ہے۔ جنون اور خبط ہے تو انفرادی اور ذاتی طور پر راتوں رات امیر بننے اور دولت اکٹھی کرنے کا ہے، ذاتی اغراض ومقاصد کو ملکی قومی مفادات پر ترجیح دی جا رہی ہے۔ غریب غریب تر اور امیر امیر تر کی تفریق کا عمل جاری وہ ساری ہے۔ کیا یہی انسانیت کی معراج ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسی لیے انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کا شرف عطا فرمایا تھا۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ اطاعت کے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

ہمارا ہمسایہ ملک بھارت بھی بہت غریب ملک ہے اور پاکستان سے پانچ گنا بڑا ملک ہے لیکن جو بے حسی ہمارے ہاں ہے وہاں نہیں ہے۔ وہ وطن پرست ہیں، وہ اپنے ملک کی تیار کردہ مصنوعات استعمال کرنا پسند کرتے ہیں حتی کہ گاڑیاں بھی اپنے ہی ملک کی بنی ہوئی استعمال کرنا باعث عزت سمجھتے ہیں لیکن ہم اپنے ملک کی کوئی بھی چیز استعمال کرنا کسر شان تصور کرتے ہیں۔ درج بالا حقائق وواقعات کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ خدانخواستہ تمام پاکستانی اور مسلمان گمراہی، لوٹ مار کر بے راہ روی کی صف میں شامل ہیں اور نہ ہی کسی فرد یا گروہ کا نام لے کر نشاندہی کی گئی ہے۔ صرف اجتماعی صورتحال کا خاکہ پیش کیا گیا ہے جس میں یہ تمام کردار موجود ہیں۔ پانچوں انگلیاں برابر اور ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود پاکستان کا وجود قائم ہے اور انشاء اللہ قیامت تک رہے گا۔ جس نے پاکستان کا تصور پیش کیا وہ عظیم مفکر، جس نے پاکستان بنایا وہ عظیم لیڈر، جس دن پاکستان بنا وہ عظیم دن، رمضان المبارک کا مہینہ اور 27 ویں شب اور سب سے بڑھ کر حضور پاک ﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھے اس طرف سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آتے ہیں اور تو اور اس خطے میں بڑی نیک، بابرکت، عظیم اور پاک باز روحانی ہستیاں ہیں جن کے دم قدم سے ہم دنیا کے نقشے پر موجود ہیں اور موجود رہیں گے۔ اس لیے ایک صوفی بزرگ حضرت واصف علی واصف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''پاکستان نور ہے اور نور کو زوال نہیں''۔ پاکستان سے جفا کرنے والے اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے لیکن پاکستان پھر بھی قائم رہے گا۔ ہم 76 سالوں سے سن رہے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ جس جس نے بھی وطن عزیز کے ساتھ کھلواڑ کیا اس کا عبرتناک انجام ہوا لیکن ملک الحمدللہ قائم و دائم ہے۔ معاشی بحران آتے جاتے رہتے ہیں، ہر دور میں دو جملے سنتے آرہے ہیں: اول پاکستان سنگین بحران سے دوچار ہے، دوم یہ کہ ملک معاشی طور پر دیوالیہ ہو گیا مگر پاکستان پھر بھی مستحکم ہے۔ غزوۂ ہند کی پیش گوئی بھی مستند ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

''اگر مجھے غزوۂ ہند میں شرکت کا موقع مل گیا تو میں اپنی مال وجان اس میں خرچ کردوں گا، اگر مارا گیا تو میں افضل ترین شہداء میں شمار کیا جاؤں گا اور اگر واپس لوٹ آیا تو ایک آزاد ابوہریرہ ہوں گا''۔

نبی کریم ﷺ نے ہندوستان کا تذکرہ کیا اور ارشاد فرمایا:

''ضرور تمہارا ایک لشکر ہندوستان سے جنگ کرے گا، اللہ ان مجاہدین کو فتح عطا فرمائے گا حتی کہ وہ مجاہدین ان کے بادشاہوں کو بیڑیوں میں جکڑ کر لائیں گے اور اللہ ان کی مغفرت فرمادے گا''۔

ہند کے بارے میں حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''زمین میں سب سے پاکیزہ ہوا ہند کی ہے''۔

برصغیر پاک و ہند جدی پشتی مسلمان نہیں بلکہ نو مسلم ہے ان میں مشرکانہ خرافات اور رسم ورواج کا پایا جانا متوقع تھا مگر غزوۂ ہند پر ان کا ایمان پختہ ہے۔ پاکستان تو بنا ہی کلمہ کی بنیاد پر ہے۔ پاکستان مسلمانوں کی آزادی کے سبب معرض وجود میں آیا اور اللہ تعالیٰ ہی اس کا حامی وناصر ہے۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کو سیکولر کہنے والے سن لیں قائداعظم نے قیام پاکستان سے قبل اور بعد کم وبیش ڈیڑھ سو سے زائد بار مختلف مواقع پر مختلف الفاظ میں یہ بات دہرائی کہ پاکستان کا نظام حکومت اسلامی اصولوں پر چلے گا اور یہی وہ بات تھی جس نے عوام الناس کو سب سے زیادہ متاثر اور متوجہ کیا اور یہی وہ عزم تھا جو ''پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ'' کے نعرے میں ڈھل گیا اور مسلمانان ہند جوق در جوق والہانہ انداز میں تحریک پاکستان میں شامل ہوتے چلے گئے۔ وہ نئے بننے والے ملک میں خلفائے راشدین جیسا شفاف پاکیزہ جمہوری اسلامی اور فلاحی نظام دیکھنا چاہتے تھے پاکستان غریبوں کا ملک ہے اس پر غریبوں کو حکومت کا حق حاصل ہے۔ ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ پاکستان میں ہر شخص کا معیار زندگی اتنا بلند کر دیا جائے کہ غریب وامیر میں کوئی فرق باقی نہ رہے۔ قائداعظم کے فرمودات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلامی اصولوں کو آزما سکیں۔ پھر فرمایا اسلام نے جمہوریت کی راہ دکھائی ہے۔ مساوات انصاف اور بھائی چارے کا سبق دیا ہے، اسلامی اصولوں پر عمل

کرنے سے ہم ہر ایک کے ساتھ انصاف کر سکیں گے اور ایک اور موقع پر فرمایا میری آرزو ہے کہ پاکستان صحیح معنوں میں ایک ایسی مملکت بن جائے کہ ایک بار پھر دنیا کے سامنے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سنہری دور کی تصویر عملی طور پر کھنچ جائے، خدا میری اس آرزو کو پورا کرے۔

آج کل بغیر سوچے سمجھے یہ رٹ بہت پاپولر ہو چکی ہے کہ ہر کام فوج کر رہی ہے کوئی بھی کام ہو کوئی بھی اکھاڑ پچھاڑ ہو ہر بات کا موردالزام فوج کو ٹھہرا دیا جاتا ہے کہ سب کچھ فوج کروا رہی ہے۔ فوج اگر کسی کام میں مداخلت کرتی ہے تو انہیں دعوت بھی تو حکومت ہی دیتی ہے۔ مردم شماری و خانہ شماری ہو، پولیو کے قطرے پلانے ہوں، الیکشن کروانے ہوں، سیلاب کی صورتحال سے نپٹنا ہو تو، امن و امان کا مسئلہ ہو، کوئی بھی ہنگامی صورتحال ہو ہم خود تو کچھ کرنے کے قابل نہیں رہے تو فوج کو طلب کر لیتے ہیں۔ ابھی چند روز پہلے اخبار میں ایک خبر نظر سے گزری کہ دس محرم الحرام کو امن و امان کی صورتحال سے نمٹنے کے لیے فوج طلب کی جائے گی۔ فوج اگر ہماری مدد کے لیے آتی ہے تو ہم ان کو کوسنا شروع کر دیتے ہیں۔ پاک فوج دنیا کی سب سے بہادر اور محب وطن ہونے کی حیثیت کی حامل ہے۔ جس طرح کے ہمارے لچھن ہیں پاک فوج نہ ہو تو دشمن آپ کا ایٹم کب کا اچک چکا ہوتا۔ خدا کا شکر ادا کریں کہ ہمارا ایٹم محفوظ ہاتھوں میں ہے اور وہ اس کی حفاظت کرنا بھی خوب جانتے ہیں۔ ہماری پاک فوج بے پناہ قربانیوں کی داستان رکھتی ہے، پاک فوج کی دھاک اور خوف ہی کی بدولت ہمارے دشمن ہم سے خائف رہتے ہیں۔ ان کو موردالزام ٹھہرانے سے پہلے ہم اپنی صلاحیتوں پر بھی ذرا نظر ڈالیں کہ ان کے بغیر ہم کسی قابل نہیں بلکہ ادھورے ہیں اس لیے حقائق کو تسلیم کرنا چاہیے نہ کہ فوج کے خلاف زہر اگلتے رہیں۔

لب لباب یہ کہ آج اگر ہم اپنی عظمتِ رفتہ، رعب و دبدبہ شوکت، سطوت کے خواہاں ہیں جو کہ کبھی ہمارا مقدر تھی، پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک کو اپنا قبلہ درست کرنا ہوگا۔ علامہ اقبال اور قائداعظم کے افکار، فرمودات اور مشن کو مشعلِ راہ بنانا ہوگا اور تاریخی کتب اور نادر نسخہ جات اور خاص طور پر قرآن مجید جن کو ہم نے صرف لائبریریوں، خوبصورت الماریوں کی زینت بنا رکھا ہے، ان کا گہری نظر سے مطالعہ کرنا ہوگا جس میں ہمارے اسلاف عظیم جرنیلوں، روحانی پیشواؤں اور مذہبی رہنماؤں کے حالاتِ زندگی، ان کی فتوحات اور ان کے کردار کا گہری نظر سے مطالعہ کرنا ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، خالد بن ولید، طارق بن زیاد، معاذ بن جبل، شہاب الدین غوری، صلاح الدین ایوبی، محمد بن قاسم، ٹیپو سلطان، علی ہجویری، معین الدین چشتی، مجدد الف ثانی، بہاؤالحق ذکریہ جیسی بے شمار اور جلیل القدر ہستیوں نے اسلامی فتوحات، اسلام کی ترویج و اشاعت اور فروغ کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور دینِ مبین کی قندیلوں اور شمعوں کو روشن رکھا۔

ماحصل یہ کہ ہم میں سے ہر ایک اپنا جائزہ لے اور اپنا احتساب کرے۔ دوسروں پر تنقید کی بجائے خود اپنا گریبان ٹٹولیں اور اپنی خامیاں اور عیب دور کرنے کی کوشش کریں۔ ملکی تعمیر و ترقی کو ذاتی مفاد پر ترجیح دیں۔ ہر فرد ملکی سالمیت، اس کی بقا میں بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہو

قسمت لالہ و گل اب بھی بدل سکتی ہے
نیت اچھی ہو اگر گلشن کے نگہبانوں کی

غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہم نے قران مجید سے رہنمائی لینے میں زبردست کوتاہی برتی ہے اور رسول اکرم ﷺ کی سیرت و کردار اور ان کے اخلاقِ حسنہ سے غفلتِ مجرمانہ برتی ہے جس کا نتیجہ ہم سب کے سامنے آیا ہے آیئے قرآن اور صاحب قرآن کے دامنِ رحمت سے لپٹ جائیں اور ان سے جڑ جائیں جن کی بارگاہِ رحمت سے ہمیں حکمت و دانش سے لبریز روشن اور جگمگاتے فرامین اور ارشادات ہماری دستگیری اور رہنمائی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ المختصر یہ کہ آج بھی ہم اور مسلم اقوام اپنی نشاۃ ثانیہ کی طرف رجوع کر لیں تو کوئی وجہ ہی نہیں کہ ملت اسلامیہ کا کھویا ہوا وقار بحال نہ ہو جائے۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کر دے

علامہ اقبال کے اس پیغام کی روشنی میں ہم قومی جذبہ، محبت، تحمل اور بردباری، اولوالعزمی، مثالی عمل و کردار، صداقت و راست بازی، عفو درگزر اور بندہ نوازی کی اعلیٰ اقدار و صفات اپنا لیں تو ہرمانِ بے نصیبی، ناکامی اور نامرادی ہمارا پیچھا چھوڑ جائیں گی اور ہر طرح کی کامیابیاں و کامرانیاں ہمارا اشدت سے استقبال کرنے لگیں گے، اس لیے ہمیں چاہیے کہ اللہ کی عبادت، رسول ﷺ کی اطاعت اور مخلوق کی خدمت کر کے راضی کر لیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرنے والے کبھی ناکام نہیں ہوتے باہمت وہ ہے جو قسمت کی لکیر مٹا دے۔ حقوق العباد اور انسانیت کی خدمت پر فوکس کیا جائے۔ اس رزق حلال کی آرزو کی جائے نہ کہ رزق حرام کمایا جائے۔ اسی میں ہماری بقا، سلامتی، عزت و آبرو اور دنیا و آخرت کی سرخروئی کا راز پنہاں ہے۔ لکھنے کو تو اور بھی بہت کچھ ہے لیکن مضمون کی طوالت کے پیش نظر سمیٹ رہا ہوں۔

نوٹ درج بالا تحریر اور حقائق میری اپنی ذاتی رائے پر مشتمل ہے۔ قارئین کا اس سے متفق ہونا ہرگز ضروری نہیں ہے۔ میں نے تو صرف اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کیا ہے۔ کسی کی دل آزاری ہوئی ہو تو معذرت خواہ ہوں۔

فقر

غریب لوگ بہت ہوتے ہیں لیکن اپنی غریبی کی عزت بہت کم لوگ کرتے ہیں۔ فقر غیور زندگی کا نور ہوتا ہے۔ فقیر جس طرح "ذکر اللہ" سے دل پاک رکھتا ہے اسی طرح رزق حلال کی جستجو سے پیٹ پاک رکھتا ہے۔ فقر "وقار" سے رہنے کا نام ہے۔

"سنابلِ نور" سے ایک اقتباس

منجانب: عقیل احمد صدیق کھوکھر، لاہور